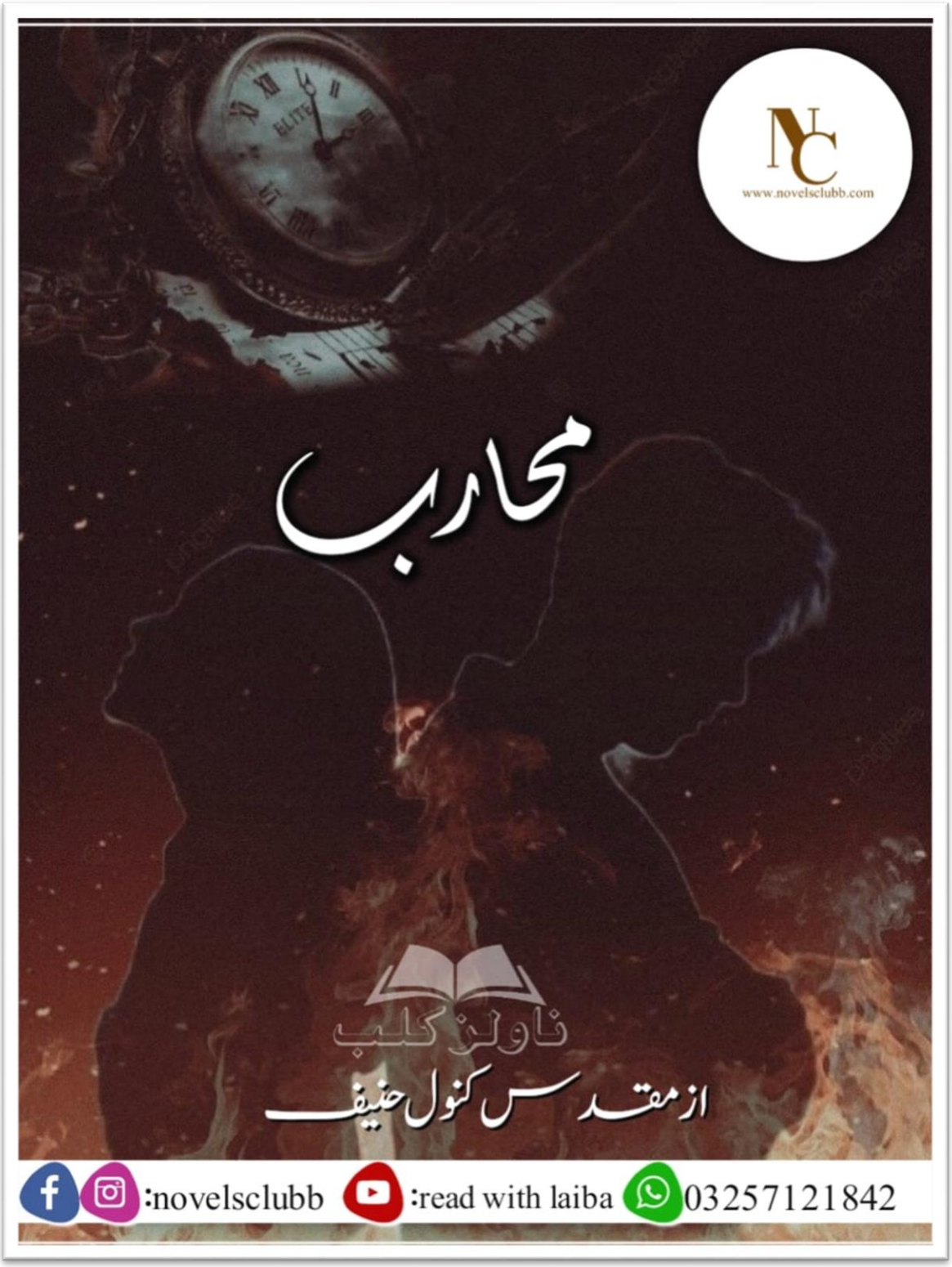
www.novelsclubb.com
محارب
ناولز کلب
از مقدس کنول حنیف
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

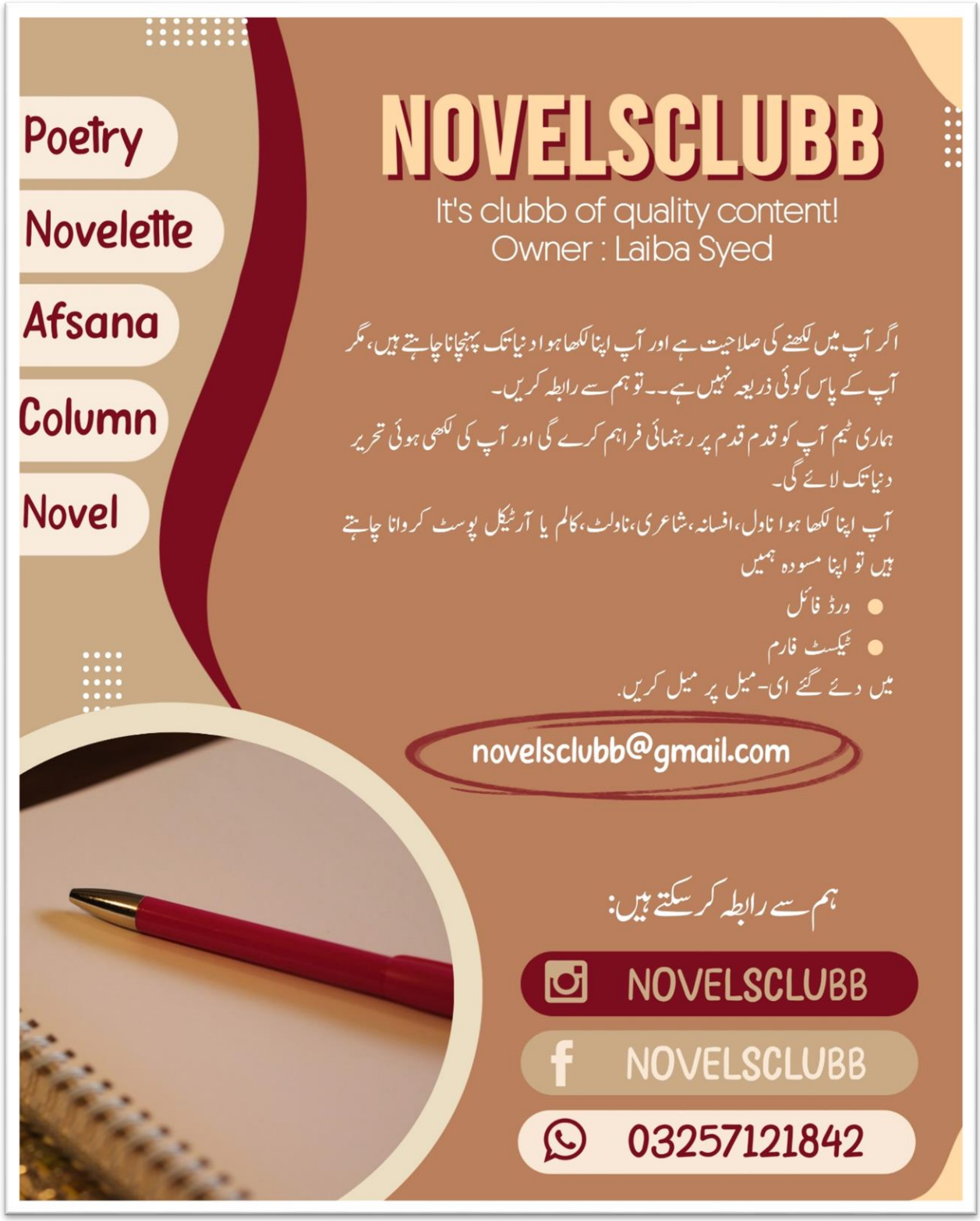
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

محارب

از قلم

کنول حنیف

www.novelsclubb.com

محارب

از قلم کنول حنیف

محارب میرا پہلا ناول ہے۔مجھے اس ناول سے اتنی محبت ہے جتنی ماں کو اپنے پہلے بچے سے ہوتی ہے۔جس طرح پہلا بچہ عورت کو ماں ہونے کا احساس دلاتا ہے اسی طرح پہلی لکھائی ایک عام آدمی کو لکھاری ہونے کا احساس دلاتی ہے۔کئی احساس بہت حسین ہوتے ہیں۔اس ناول نے میری لکھائی کو نکھارا ہے۔مجھے کئی بار حوصلہ دیا ہے۔کئی بار مجھے ہیل کیا ہے۔یہ کہانی میرے ذہن میں کب آئی اس سے فرق نہیں پڑتا۔ہاں میں نے اسے کب لکھنا شروع کیا شاید یہ اہم ہے ۔اس کہانی کو مجھے بننے میں دو سال لگ گئے۔کیونکہ یہ کہانی حقیقت سے قریب ہے۔مجھے حقیقت لکھنا پسند ہے۔ہر کہانی خود کو خود لکھواتی ہے۔الفاظ لکھاری کے لیے وحی کی طرح ہوتے ہیں۔جب چاہتے ہیں نازل ہوتے ہیں۔میرے لیے یہ پوری کہانی ایک وحی طرح تھی۔ جو مجھ پر نازل ہوتی گئی اور میں اسے کسی قرطاس کے نام کرتی گئی۔میری کہانیوں میں آپ کو

شہزادہ سب کچھ نہیں ملے گا۔ شہزادہ کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر وہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری کہانیوں میں شہزادی زخمی تو ہو گی لیکن اسے مرہم لگانے کے لیے کوئی شہزادہ نہیں آئے گا۔ یہ کام وہ خود کرے گی۔ کیونکہ اصلی زندگی میں کوئی شہزادہ نہیں آتا۔ ہر شہزادی کو اپنے زخم خود ہی ٹھیک کرنے پڑتے ہیں۔ حقیقت کی دنیا میں شہزادی کو اپنا شہزادہ خود بننا پڑتا ہے۔ یہ حقیقت ہے ۔یہ زندگی ہے۔ ہر کہانی کو لکھنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ میرا اس کہانی کو لکھنے کا مقصد شہزادی کو یہ بتانا تھا کہ شہزادہ کہ اگر وہ قید سے خود نہیں نکلے گی تو اسے باہر کا راستہ بھی کوئی نہیں دکھائے گا۔ یہ کہانی میرے لیے بہت مشکل تھی۔ اس کو بننا بہت مشکل تھا۔ لیکن اگر آپ کو اللہ پر بھروسہ ہو تو سب ممکن ہو جاتا ہے۔ اللہ کے کرم سے میں اس ناول کی پہلی قسط شائع کروانے جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ آپ کو پسند آئے۔ ہو سکتا ہے یہ کہانی آپ کے معیار پر پوری نہ اترے۔ کیونکہ ہر چیز ہر انسان کے لیے نہیں ہوتی۔ ہر کہانی کا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔ جیسے ہر کھانے کی اپنی ایک الگ لذت ہوتی ہے۔ ہر کسی کو ہر ذائقہ پسند نہیں ہوتا کیونکہ سب کا اپنا اپنا ٹیسٹ ہوتا ہے۔ امید آپ کو میری یہ کہانی پسند آئے گی۔ کیونکہ اس میں ہم سب کی زندگی کا

www.novelsclubb.com

کوئی نہ کوئی پہلو چھپا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کہانی بہت عام ہو۔ لیکن میری یہ کہانی بہت مختلف ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ چلن ہے کہ مرد کے بغیر عورت ادھوری ہے۔ اس ناول میں، میں نے اسی ٹیبو کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ عورت کو اللہ نے مکمل پیدا کیا ہے۔ ہر انسان مکمل ہے۔ کوئی کسی کو مکمل نہیں کرتا۔ شکریہ۔

میں اپنے اس ناول کو اس ذات کے نام کرتی ہوں۔ جس نے مجھے لکھنا سیکھایا۔ جو مجھ سے لکھوا رہا ہے۔

(میں اپنے اس ناول کو اللہ کے نام کرتی ہوں۔)

www.novelsclubb.com

محارب

قسط نمبر دو۔۔۔۔۔از قلم کنول حنیف

"سرد سی سرگوشی"

A cold whisper "

کچھ باتیں کتنی دل پذیر ہوتی ہیں

کچھ راتیں کتنی سرد گیر ہوتی ہیں

www.novelsclubb.com

کیا تمہیں اک اور بات پتہ ہے

نہیں پتہ تو اس میں کیا برا ہے

ادھر آؤ میں تم کو وہ بات بتلاؤں

خود سے جیتنے کے راز سکھلاؤں

چھوڑو تم تمہید کو آؤ سیدھا مدعے پر

جس کو ہم سب مان لیتے ہیں

مان کر ہم اسے شہزادہ جان لیتے ہیں

جس کو ہم بنا کے خواب آنکھوں میں سجا لیتے ہیں

جس کے ساتھ ہم سفید عمر کی تعبیر بنا لیتے ہیں

اگر کبھی تم کو معلوم ہو کہ وہ تو اک بھرم تھا

جو لگتا تم کو صدیوں سے اپنا برم تھا

www.novelsclubb.com

تو تم لبِ بستہ نہ ہونا

سب چھوڑ چھاڑ کے تنہا نہ ہونا

کسی کے بہکاوے میں آکر اپنی

شہزادیوں جیسی شان نہ کھونا

تم یہ یاد رکھنا، خود کو اپنے ساتھ رکھنا

جو تم کو باتوں میں الجھائے اس کو خود سے دور رکھنا

www.novelsclubb.com

اس دورِ جدید میں تم بھی کلاسک مت رہنا

ہیر تو اب بھی یہاں ہوتیں ہیں بہت

مگر کوئی رانجھا نہیں ہوتا

جسے تمہارا غم لگے

جو تمہارے ہجر میں جوگی بنے

ایسا کوئی بھی مرد اب یہاں نہیں ہوتا

کیونکہ زمانہ جدید ہے

علاج کرنے کے لیے طبیب ہے

اب کوئی بھی اندر ہی اندر

گھٹ، گھٹ کے نہیں مرتا

اب پیسے دے کر

بات کرنے کے لیے یہاں ماہر نفسیات موجود ہے

جب تم پر حقیقت آشکار ہو تو تم بھی وہی کرنا

www.novelsclubb.com

اک دن اچانک کوئی تمہارے کان میں کرے گا

اک سرد سی سرگوشی

موت جتنی سرد

مردے کے جسم سے بھی زیادہ سرد سرگوشی

مگر تم کلاسک دل کو جدید کرنا

خود کو نہ رو رو کہ برباد کرنا

زندگی دو پل کی ہے یہ یاد رکھنا

تم اک پل کو ہزار صدیوں کے برابر رکھنا

www.novelsclubb.com

غم جب تم پر حملہ آور ہوں

چہرے پر سجائے مسکان رکھنا

ایک سال بعد

حال۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"میں اسے جانتی تک نہیں۔یااللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔وہ شخص جس کو میں نے اپنے دل میں جگہ دی۔وہ،وہ کیسے ایسا ہو سکتا ہے۔میں کیسے مان لوں کہ وہ ایسا ہے۔"

وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔آنسو اس کی آنکھوں میں ایسے آ رہے تھے جیسے موسلا دھار بارش جو بن مانگے ٹپک پڑتی ہے۔وہ کچھ بھی ماننے کو تیار نہیں تھی۔وہ ہر شے سے انکاری تھی۔اسے خود

www.novelsclubb.com

پر شک ہوا۔وہ غلط سن چکی ہے۔ نہیں۔اس نے جو بھی دیکھا۔سنا۔وہ سب۔۔۔ہاں وہ سب بھرم ہے۔ حقیقت وہی ہے جو اسے از بر ہے۔وہ شخص وہی ہے۔جو اسے حفظ ہے۔

Shock and Denail)

صدمہ لگنے کے بعد یہ پہلی کنڈیشن ہوتی ہے۔ جس میں کوئی بھی شخص جو کسی بھی صدمے کا شکار ہوا ہوتا ہے۔وہ واقعے کو ماننے سے انکاری ہوتا ہے۔اصل میں یہ ایک **defense mechanism** ہوتا ہے جو فوری صدمے کو کم کرنے کے لیے متعلقہ فرد کرتا ہے۔)

"چپ کر جاؤاب۔"جو نہیں ہے سو نہیں ہے۔"ساتھ بیٹھے وجود نے اسے سمجھایا۔

"میرا دل پھٹ رہا ہے۔میں۔۔میں کیا کروں۔"اسے سانس لینے میں تنگی ہو رہی تھی۔وہ الفاظوں کو صحیح سے ادا بھی نہیں کر پا رہی تھی۔دل کرب زدہ تھا۔آنکھیں خون سے زیادہ سرخ ہو رہی تھیں۔یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔اگر وہ نہ ملا تو کیا کرے گی۔اگر وہ ویسا نہ ہوا جیسا وہ کہتا ہے۔تو وہ خود کو کیسے دلاسا دے گی۔دل کو کیا کہہ کے بہلائے گی۔وہ دل کے اس مرض کو کس دوا سے صحتیاب کرے گی۔یہ سب تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔یہ تو کہیں

کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا تھا۔ کہ جب دل پھٹنے کے در پر ہو۔ کلیجہ منہ کو آرہا ہو۔ آنکھیں اتنی سوجھ جائیں کہ نابند ہو سکیں۔ نہ ہی کھل سکیں۔ پھر، پھر وہ کیا کرے گی۔

"پلیز کچھ کرو۔ یار۔ یہ بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس کا درد تو کالی کھانسی سے کہیں زیادہ ہے۔ میں اس کو نہیں سہہ پاؤں گی۔ یہ۔۔۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ بالکل بھی۔" اسے اب غصہ آرہا تھا۔ بہت زیادہ غصہ۔ بے بسی سے بھرا ہوا غصہ۔ چھت پر دور چمکتا چاند چپ چاپ اپنے جیسے ایک چاند کو چاندی بہاتے دیکھ رہا تھا۔

اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ گلا بیٹھا ہوا تھا۔ اسے فضا میں آکسیجن کی کمی لگی۔ سامنے بیٹھا نفوس جس کا چہرہ اندھیرے میں ہونے کے باعث نظر نہیں آتا تھا۔ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں۔۔۔ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔" وہ چیخ رہی تھی۔ وہ غصہ کر رہی تھی۔ وہ سامنے بیٹھے نفوس کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ سامنے بیٹھا نفوس بت بنا بس اسے دیکھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

Phase number two anger....

شوک لگنے کے بعد یہ دوسرا فیز ہوتا ہے۔ جس میں وہ شخص جس کو صدمہ پہنچا ہوتا ہے۔ وہ جو ہوا اسے تسلیم کرنے کے بعد غصہ نکالتا ہے۔ بعض دفعہ وہ چیزیں توڑتا ہے۔ بعض دفعہ چیختا ہے۔اور اکثر اوقات روتا ہے۔ مختلف لوگ مختلف حربوں سے اپنی فرسٹریشن نکالتے ہیں۔اسّی فیصد لوگ یہی جملہ استعمال کرتے ہیں۔"میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا۔")

وہ چیخ، چیخ کے تھک چکی تھی۔اس نے آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے بے دردی سے رگڑا۔اس کا مسکارا مختلف اشکال کی لائینز بناتے ہوئے ٹھوڑی کی طرف رواں دواں تھا۔اس کے میک اپ کی ملکہ اپنی درست جگہ سے نقل مکانی کر کے گالوں پر پہنچی ہوئی تھی۔اس نے اب ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔گلے میں کچھ چبا تھا۔شاید گلا اب ہار مان چکا تھا۔مزید چیخنے کو وہ نہیں سہہ سکتا تھا۔جتنا چیخ سکتا تھا۔چیخ لیا تھا۔

"emotional catharsis"

www.novelsclubb.com

ایک ایسی کنڈیشن کو کہتے ہیں۔ جس میں متاثرہ شخص چیخ و پکار کے ذریعہ اپنے اندر دبے جزبات کو باہر نکالتا ہے۔ رو دھو کر خود کو calm کرتا ہے۔ اگر یہ جزبات کے ہرٹ ہونے کی وجہ سے ہو تو اسے hysterical crying کہتے ہیں۔

"میں ہار نہیں مان سکتی ہے۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔ میرے ساتھ دھوکے نہیں ہوتے۔ غلط ہے یہ۔ بالکل غلط میرے ساتھ دھوکے نہیں ہوتے۔" وہ آنکھوں کو رگڑے جا رہی تھی۔ اور رندھی آواز سے بولتی جاتی تھی۔ "لوگ مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں اس سے بات کروں گی۔ میں سب فکس کر لوں گی۔ دیکھنا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ سامنے بیٹھے نفوس کو بتا رہی تھی۔ وہ خود کو دلاسا دے رہی تھی۔ مگر جو سامنے تھا۔ وہ شاید کوئی پتھر تھا۔ جو اس کے ہلانے پر ہلتا تو تھا۔ مگر بولتا نہیں تھا۔

"تمہارے ساتھ دھوکے کیوں نہیں ہو سکتے۔" پتھر کی زبان نے سرگوشی کی۔ ٹھنڈی سرگوشی۔

www.novelsclubb.com

سرخ آنکھوں میں کرب کی ڈوریں لیے وہ سامنے بیٹھے وجود کو دیکھے گی۔چپ چاپ۔جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

"بولو۔جواب دو۔"پھر سے سرگوشی ہوئی۔یخ سرگوشی۔وہ جو سامنے چاند کی روشنی میں مگن تھی۔کچھ بھی نہ بولی۔اب اس کی آنکھوں میں ایک ہی جزبہ تھا.Bargainingوہ،وہ اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔اس کے ذہن کے کسی جاگے ہوئے پردے نے سرگوشی کی تھی۔ bargaining, bargaining,دماغ یہی لفظ دہرا رہا تھا۔دل میں اب کچھ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

"بولو۔"سامنے نیم اندھیرے میں بیٹھے شخص اسے جھنجھوڑا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

www.novelsclubb.com

"ہا۔۔۔ہاں۔۔لفظ ٹوٹے ہوئے تھے۔"

"میں نے کچھ پوچھا ہے۔"

"کیونکہ مجھے cheatersسے وائبز آتی ہیں۔کیونکہ میں intuitiveہوں۔"اب کے متاثرہ شخص نے سرگوشی کی۔

سامنے بیٹھا نفوس دنگ رہ گیا۔وہ یہ کیسی بھول گئی۔

"میں اس سے بات کروں گی۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔ہاں۔مجھے اس سے بات کرنی چاہیے۔"

وہ غصے کے بعد تیسرے فیز میں داخل ہو چکی تھی۔

Phase number three bargaining)

یہ تیسرا فیز ہوتا ہے۔جس میں متاثرہ دوبارہ سے سب پہلے جیسا کرنے کے لیے سودے بازی کرتا ہے۔وہ سوچتا ہے کہ کاش میں نے یہ ایسے نہیں ایسے کیا ہوتا۔اگر اب حالات بہتر ہو جائیں تو میں یہ کروں گا۔وہ گر کر اٹھنے جیسا ہوتا ہے۔دوبارہ سے سب ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے جیسا۔خود کو دلاسا دلانے جیسا(

www.novelsclubb.com

"تم پاگل ہو۔جو ہوا۔وہ سچ ہے۔تم جان بوجھ کر نہیں ماننا چاہتی۔تم۔۔تم صدمے میں ہو۔تمہیں اس سے بہار نکلنے کی ضرورت ہے۔تم اس لیے یہ سب بول رہی ہو۔"

نفوس کچھ آگے کو جھکا تو ذرا سی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔مگر اتنی کم کہ جس سے اس کے نقش چھپے ہی رہے۔

"نہیں میں نے کہانا۔ کہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔"

وہ بیٹھے گلے سے بامشکل بول پارہی تھی۔اس کی آواز اب ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

سامنے بیٹھے نفوس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔"وہ خود جب اس بات کا اعتراف کر چکا ہے۔تو پھر اب کیا باقی ہے۔"اس کے لفظ زخمی دل میں برچھی کی طرح گڑ گئے۔یہ تو وہ بھول گئی تھی۔ کہ جو ہوا اس کا اعتراف وہ خود بھی کر چکا ہے۔پھر اب امید کیسی،آس کس چیز کی لگا رہی تھی۔وہ خود کو کیا جتا رہی تھی۔دل کو کون سا دلاسا دے رہی تھی۔یہ دل بھی کیسا سالک ہے۔جانے کن ،کن راستوں سے گزرتا ہے۔کون کون سے کانٹے اس میں چبھتے ہیں۔مگر ہر کانٹے سے برا کانٹا محبت کا ہوتا ہے۔یہ وہ کانٹا ہے۔جو چبھتے ہوئے درد نہیں دیتا۔لیکن آہستہ آہستہ زہریلا ہوتا چلا جاتا ہے۔اور اپنا زہر ہر رگ میں پھیلا دیتا ہے۔کچھ کانٹوں کے زہر دل نہیں سہ پاتے۔ان میں سے ایک کانٹا ہوتا ہے۔اعتبار کے ریزہ ریزہ ہونے کا۔مان کے کرچی کرچی ہو کر بکھر جانے کا۔ یہ کانٹا بہت زہریلا ہوتا ہے۔اس کا کوئی تریاق نہیں ہوتا۔یہ لاعلاج مرض ہے۔جو گھن کی طرح چپکتا ہے۔مریض کو اندر ہی اندر ختم کرتا چلا جاتا ہے۔

www.novelsclubb.com

Phase number four depression

اس نے خود کو سست چھوڑ دیا۔ کندھے جو پہلے تناؤ سے اور پھر ایک اور ڈھارس سے تنے ہوئے تھے۔اب ڈھلک گئے۔ سامنے بیٹھے نفوس نے اس کا بڑا نقصان کیا تھا۔اس نے کہا تھا اس سے کہ تم کچھ بھی مت بولنا۔بس مجھے سننا۔ صرف سننا۔ لیکن اس نے اس کی سماعتوں میں کھولتا ہوا لاوا انڈیل دیا تھا۔اور اسے محسوس ہوا جیسے اس کے کانوں سے وہ لاوا ابل ابل کر باہر آ رہا ہو۔اور پورے بدن پر گرتا جا رہا ہو۔تکلیف ہی تکلیف تھی۔شدید تکلیف۔سانس روک دینے والی تکلیف۔ جسے وہ خود بھی جھٹلا رہی تھی۔ جسے سامنے بیٹھا وہ نامعلوم نفوس بڑی سفاکی سے اسے بتا رہا تھا۔اب ان دونوں پر اندھیرا تھا۔چاند کسی بادل کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔پہلے جہاں چھت پر چیخوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔وہ آوازیں اب ہچکیوں اور سوں سوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔

www.novelsclubb.com

روتی دھوتی لڑکی نے اپنی کئی رنگ والی سبز، سنہری سی آنکھوں کو زور سے رگڑا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ساتھ ہی ساتھ بیٹھا نفوس بھی اٹھ گیا۔چاند بادلوں کے چنگل سے رہائی پا کر باہر نکلا تو

دوسرے نفوس کے چہرے کو ظاہر کر دیا۔وہ دعا کی چھوٹی بہن تھی۔وہ مومنہ صفدر تھی۔دعا نے سرخ دھاری دار آنکھوں سے اپنی بہن کو دیکھا۔آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔وہ سامنے کھڑی لڑکی سے جو قد میں دعا سے دراز تھی لپٹ گئی۔وہ پھر رو دی۔زور زور سے۔سسکیوں سے، متواتر آتی ہوئی ہچکیوں سے۔اب وہ ایک عزم کے ساتھ پیچھے ہٹی۔آنکھیں صاف کیں۔اپنی بہن کو دیکھا۔اور مسکرا دی۔سامنے والی مسکرا بھی نہ سکی۔کوئی اتنے درد میں بھی کیسے مسکرا سکتا ہے۔جو بھی ہو وہ نہیں مسکرا سکتی۔

(Phase number fifth acceptance

آخری اور پانچواں فیز قبولیت کا ہوتا ہے۔اس کا مطلب خوش ہونا نہیں ہوتا۔نقصان اب بھی دردناک ہے۔مگر متاثرہ شخص نقصان کو قبول کرنے اور زندگی کو آگے بڑھانے کی سوچتا ہے۔)

وہ اب جا رہی تھی۔نیچی کی طرف سیڑھیوں کی جانب۔چاند نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔اور بس دیکھے گیا۔

www.novelsclubb.com

خدا جانے ہم لوگوں کو اپنی زندگی میں اتنی اہمیت کیوں دے دیتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں رلا سکیں۔ ہمیں توڑ کر بکھیر سکیں۔ کہیں بھی کبھی بھی۔ ہم اپنی جانوں پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہیں۔ ہم اپنے دل کے اختیار دوسروں کی مٹھی میں کیوں بند کر دیتے ہیں۔ ہم کیوں اتنے جلد باز ہوتے ہیں۔ کہ ایک نظر میں دل کے تمام اختیار بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ وہ نیچے جا چکی تھی۔ مومنہ دور آسمان پر چاندنی بکھیرتے چاند کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

ΔΔΔΔΔΔΔΔΔΔΔ

پچھلی رات کی صبح۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جب آیا اک ان دیکھا طوفان۔۔۔۔۔۔۔۔

اور لے گیا اڑا کر اپنے سنگ سب۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وقت کی سوئیوں کو تھوڑا پیچھے گھماؤ۔ گھما کر انھیں ان لمحوں تک لے جاؤ جہاں سے خوشیاں غموں میں بدل گئیں۔ جہاں خوشیوں کی ہار ہوئی اور غموں کو فتح ہوئی۔ جہاں مسکراہٹ نے دم

www.novelsclubb.com

توڑ دیا۔ جہاں آنسوؤں نے بارش کی متواتر۔ جہاں بن کسی آواز کے سینے میں کوئی دھک دھک کرتی شے ہوئی چور چور۔

ایک سال کیسے گزر گیا معلوم ہی نہ ہوا۔ دن کتنے تھے اور راتیں کتنی تھیں۔ کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔ وقت کا کام تھا گزر جانا اور وقت نے اپنا کام پوری ایمانداری سے کیا۔ وقت گزر گیا۔ بنا کسی کو بتائے۔ بنا کسی کو کچھ سنائے۔ جانے والا وقت کیا لے کر جا رہا تھا۔ شاید خود وقت کو بھی اندازہ نہیں تھا۔ اور آنے والا وقت کیا لے کر آ رہا تھا۔ یہ خود وقت بھی نہیں بتا سکتا۔ وقت کے اندر خدا نے اگر احساس جیسی کوئی چیز رکھی ہوتی تو شاید وقت کبھی گزر ہی نہ پاتا۔ کیونکہ جو انسان سہہ سکتا ہے وہ برداشت کرنے کی ہمت کسی اور شے میں ہو ہی نہیں سکتی۔ شاید وقت میں بھی نہیں۔ کبھی بھی نہیں۔

www.novelsclubb.com

امبر اور دعا دونوں کا داخلہ نہ ہو سکا۔ یہ سال دونوں کے لیے کسی ڈگری کا سال نہ بن سکا۔ وہ دونوں پچھلے سال ہی داخلہ لینا چاہتی تھیں۔ دعا نے اور امبر نے الگ الگ کالجز میں اپلائے بھی کیا تھا۔ دعا کا انٹری ٹیسٹ پاس نہ ہو سکا اور امبر جس دن انٹری ٹیسٹ تھا شدید بیمار ہو گئی۔

قدرت کے کھیل بھی نرالے تھے۔دونوں ہی رہ گئیں۔کسی کا بھی نہیں ہوا۔کہیں بھی نہیں ہوا ۔یہ سال اب ختم ہو چکا تھا۔سال ہوں یا مہینے سب گزرنے کے لیے ہوتے ہیں۔سب گزر جاتے ہیں۔زندگی اپنے ڈگر پر چلتے ہوئے کئی بار گرتی ہے۔مگر چلتی رہتی ہے۔مسلسل بنا رکے، بنا جھکے۔

ایک سال بعد وقت پھر سے جیسے وہیں سے شروع ہو گیا تھا۔زندگی نے جو چادر ایک سال پہلے اوڑھی تھی لگتا تھا جیسے بالکل ویسے ہی اتار دی ہو۔سفر جیسے وہیں سے شروع ہوا ہو۔

معمول کی طرح آج بھی ویسے ہی دن تھے۔مگر اب نومبر شروع ہونے والا تھا۔دعا اور امبر پھر سے اپلائے کر چکی تھیں۔اس سال دونوں ہی نے بہت احتیاط کی تھی۔کہ کہیں پچھلی بار کی طرح رہ نہ جائیں۔اس بار وہ چانس نہیں لے سکتی تھیں۔اور تو اور ایک سال لیٹ ایڈمیشن لینے کی وجہ سے ان کی پرسنٹیج سے دو پرسنٹ ڈیڈکٹ کر لیے گئے تھے۔اس پر تو دل ڈوب ڈوب جاتا تھا۔

www.novelsclubb.com

دعا آج کالج جا رہی تھی۔اسے ایڈمیشن کے کاغذات کے ساتھ اصلی رزلٹ کارڈ کی کاپی جمع کروانی تھی۔پچھلی مرتبہ تو انٹرویو ہی پاس نہیں ہوا تھا۔تو ضرورت ہی نہیں پڑی تھی کالج جا کر رزلٹ کارڈ لینے کی۔سو نہ وہ پھر گئی کالج نہ رزلٹ کارڈ ملا۔اب جب ضرورت تھی تو زحمت بھی کرنی ہی تھی۔

کالج آج بھی ویسا ہی تھا جیسا ایک سال پہلے تھا۔ہر چیز سے بے نیاز۔پوری شان سے کھڑا ہوا۔زمین کے سینے پر مالک کی طرح پھیلا ہوا۔یہ عمارتیں کتنی تندہی سے زمین کے سینے پر سینہ پھیلائے پیر گڑائے کھڑی رہتی ہیں۔اور پھر ایک دن یہی زمین ان عمارتوں کو کھا جاتی ہے۔ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ایسا غرق کرتی ہے کہ ڈھونڈنے سے نشان تک نہیں ملتے۔

www.novelsclubb.com

وہ اسی سوچ میں گم تھی کہ گیٹ سے تھوڑا آگے موبائل کان سے لگائے وہ کھڑا تھا۔ایک سال بعد بھی وہ ویسا ہی تھا۔ہمیشہ کی طرح خوبصورت۔کالے بالوں والا دلکش مرد۔آنکھ آج بھی اسے دیکھ کر چندھیا گئیں تھیں۔موبائل پر بات تو ہر روز ہوتی تھی اس سے۔مگر آنکھوں سے دیکھے ہوئے پورا ایک سال ہو چکا تھا۔وہ آخری بار ایک ریستوران میں ملے تھے۔لیکن لگتا تھا

جیسے وہ ہر روز ملتے ہوں۔وہ چیونٹی کی چال چلتے اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔وہ ہنس ہنس موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

"نہیں یار تمہاری سی بات کسی میں کہاں ہے۔کہاں تم اور کہاں وہ گاؤں کی مورنی۔ویسے ماننا پڑے گا۔اس کی آنکھیں دنیا کی حسین ترین آنکھیں ہیں۔" وہ ہنس رہا تھا۔زور زور سے، جھک جھک کر۔دوسری طرف شاید کوئی اس کی اس تعریف سے ناراض ہوا تھا۔"نہیں، نہیں تم غلط سمجھ رہی ہو۔ایسا نہیں ہے۔اس میں وہی بات ہے جو ایک مورنی میں ہوتی ہے۔مورنی ہوتی تو بہت خوبصورت ہے۔لیکن جب اپنے پاؤں دیکھتی ہے تو خود ہی رونے لگتی ہے۔بالکل اسی طرح ہے تو وہ مورنی سی آنکھوں والی حسین مگر تھوڑی موٹی ہے۔اور تمہیں تو پتہ ہے۔مجھے پرفیکشن چاہیے۔اور وہ پرفیکشن تم میں ہر طرح سے پائی جاتی ہے۔" دوسری جانب کوئی شرمیلا شرمیلا سا ہنس رہا تھا۔پیچھے جو کھڑی تھی۔وہ برف ہو گئی تھی۔یخ۔جامد۔ساکت۔کون سی کیفیت تھی جو اس پر طاری نہیں ہوئی تھی۔کون سا عذاب تھا جو آج اس پر نہیں اترا تھا۔وہ جو ابھی عمارتوں کے زمیں بوس ہونے کا سوچ رہی تھی۔اب وہ خود زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔اسے لگا جیسے اس کے پاؤں کسی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔وہ اپنی پوری قوت سے بھی

اپنے پاؤں نہیں نکال پا رہی تھی۔آسمان پر جیسے کوئی بجلی کڑکی تھی۔جس نے اس کے دل میں دراڑیں پیدا کر دی تھیں۔

"چھوڑ دوں گا یار۔اب میں اتنا بھی بے رحم نہیں ہوں جو کسی کا دل اتنی بے رحمی سے توڑ دوں۔ آخر ہوں تو انسان ہی نا۔اور emotions بھی ہیں میرے اندر تو ایسے فوراً نہیں کر سکتا۔ کبھی موقع پا کر منع کر دوں گا۔فریٹ نوٹ۔"

دعا کو لگا جیسے اس کا ہر لفظ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا ہو۔اسے اپنے کانوں سے کوئی مائع سا بہتا محسوس ہوا۔وہ۔۔وہ ہل کیوں نہیں پا رہی تھی۔اس کے پاؤں کو کیا ہو گیا تھا۔ہاتھ میں پکڑا بیگ کب چھوٹا معلوم ہی نہ ہو سکا۔وہ اب بھی کچھ کہہ رہا تھا۔اس کی برائی۔اُس کی تعریف کر رہا تھا۔اب بے بسی پر غصہ طاری ہونے لگا تھا۔پہلے جہاں بے بسی تھی۔اب وہاں غصہ تھا۔ پہلے جہاں کرب تھا۔اب وہاں طیش کا عالم تھا۔کیونکہ سامنے جو تھا وہ، وہ نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔وہ تو ایک ظالم تھا۔اور وہ اس کے ظلم کی شکار تھی۔

www.novelsclubb.com

آج تک دنیا نے اس کی محبت دیکھی تھی۔ نفرت اس نے کبھی کی ہی نہیں تھی کسی سے۔ مگر اب دنیا کو اس کا غصہ بھی دیکھ لینا چاہیے۔ ہاں جب اسے درد ہوا ہے تو تماشہ سامنے والے کو بھی بننا چاہیے۔ یہ کوئی ڈرامہ نہیں تھا۔ کہ وہ اپنی ہتک سنتی اور محبت کے نام پر عزت نفس کو مار کر ایک بے بسی سے بھری نظر ڈال کر چلی جاتی۔ اوں ہوں۔ وہ ایسی نہیں تھی۔ وہ جدید دنیا سے تعلق رکھنے والی جدید لڑکی تھی۔ اگر کوئی اسے دھوکہ دے گا تو وہ اس سے پوچھنے کا حق رکھتی تھی۔ اور وہ پوچھے گی۔ وہ یہ سب سوچتے ہوئے قدم آگے بڑھائے گئی۔ جو قدم پہلے اٹھ نہیں رہے تھے۔ وہ اب رک نہیں رہے تھے۔

اس نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ اب پلٹ رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں ایسے پھیلیں جیسے سامنے کسی جن کو دیکھ لیا ہو۔ جیسے جو ہو گیا ہے۔ اسے کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آسمان پر بجلی زور سے کڑکی ۔ لگتا تھا جیسے کوئی طوفان آنے والا ہو۔ سردی کی آمد کا پتہ دیتی ہوائیں مزید سرد ہو گئیں۔

وہ دونوں اب آمنے سامنے تھے۔ کتنے پاس ہو کر بھی کتنے دور تھے۔

www.novelsclubb.com

قسمت دو پیار کرنے والوں کو اکثر تب قریب لاتی ہے جس اسے یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور کرنے ہوں۔

چٹاخ، چٹاخ، چٹاخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حمزہ کو محسوس ہوا جیسے اس کے منہ کو گرم سلاخوں سے داغ دیا ہو۔ جس کا درد تو شاید کبھی چلا جائے۔ لیکن نشان۔۔۔۔ نشان کبھی نہیں جا سکتا۔

دعا۔۔۔۔۔۔ اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ التجا تھی۔ یہ آواز اس مرد کی نہیں تھی۔ جو ابھی موبائل پر بات کر رہا تھا۔ یہ آواز دعا کے حمزہ کی تھی۔ یہ دل کی پکار تھی۔ جو دل نے سنی تھی۔ مگر دماغ نے رد کروادی۔

www.novelsclubb.com

"تم۔۔۔ تم بغیرت آدمی ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ تم مجھے۔۔۔۔ مجھے دھوکا کیسے دے سکتے ہو۔ بولو۔۔۔۔۔" وہ چیخ رہی تھی۔ اونچی مگر دبی آواز سے۔

"میں نے تمہیں اپنا دل دیا۔ تم نے بدلے میں مجھے کھوکھلا کر دیا۔"

اس کی آنکھوں سے بارش کی بوندوں کی طرح پانی بن رکے بہے جاتا تھا۔ڈوپٹہ سر سے سرک گیا تھا۔ماتھے پر پڑے ہوئے بال بکھرنے لگے۔وہ جتنی خوبصورت لگ رہی تھی اس سے کہیں زیادہ دلگیر تھی۔ابھی تو دامن چاک ہوا تھا۔تو اتنا درد تھا۔جب بخیہ گری ہو گی تب کیا عالم ہو گا۔

حمزہ کا دل چاہا ہاتھ بڑھائے اور اس کے بہتے آنسو چن لے۔دل نے اس پر ملامت کی۔دل نے کئی بار کہا۔مت کرو۔کسی سے دل لگا کر اسے توڑا نہیں کرتے۔مگر دماغ نے اور کئی دلیلیں جڑ دیں۔محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور وہ دماغ کو بیچ میں لا رہا تھا۔دماغ منافع کا نام ہے اور محبت خسارے کا۔دماغ فتح چاہتا ہے۔دل محبوب کی جیت کے واسطے ہر ہار اپنے نام کرنا چاہتا ہے۔ دونوں آرگنز مترادف ہیں۔بالکل مخالف اور مختلف ہیں۔

"میں۔۔۔میں۔۔نے کچھ بھی نہیں کیا۔" وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔اس نے ایک سیکنڈ کے لیے دماغ کی دلیلوں کو جانے دیا۔وہ دل کی بات دل سے کرنا چاہتا تھا۔جو ہو رہا تھا وہ

اسے روکنا چاہتا تھا۔وہ تھپڑ جو اسے پڑ چکے تھے۔ان سے سیکڑوں زیادہ جلن تو سینے میں ہو رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا حمزہ۔پلیز تم ہی بتاؤ۔تم نے یہ کیا کر دیا ہے۔کہو کہ وہ سب مزاق تھا۔ہم نے۔۔۔۔ہم نے تو محبت کی داستان رقم کرنی تھی۔مگر تم نے۔۔۔۔۔ارے تم نے دھوکستان رقم کر دی۔دھوکوں کا دیس ہو تم۔تم۔۔۔تمہارے اندر دھوکے،غداری،سفاکیت،جفاکشی، بربریت،فسادیت سب کچھ تمہارے اندر جنم لیے ہوئے ہیں۔"آج اسے وہ سیاہ آنکھیں دنیا کی خوبصورت آنکھیں نہیں لگیں۔آج اسے حمزہ وہ نہیں لگا۔جو پہلی مرتبہ لگا تھا۔آج وہ اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ نہیں لگا۔آج اسے وہ کوئی بھی نہیں لگا۔اس لمحے اسے وہ کچھ بھی نہیں لگا۔

سڑک بہ رہی تھی۔لوگ آجا رہے تھے۔سب نارمل تھا۔ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی اور رفتار بھی۔کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔کسی نے نہ کچھ دیکھا تھا۔نہ کسی کو کچھ سنائی دیا تھا۔دنیا بہت مصروف تھی۔کسی کے پاس کسی کو دلاسا دینے کا وقت نہیں تھا۔ہر کوئی اپنی زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے جوش پر سوز تھا۔

www.novelsclubb.com

"سوری۔۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ وہ۔۔ وہ مرد نہیں تھا جو ابھی کسی سے ہنس، ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ وہ تو کوئی شکست خوردہ مرد تھا۔ جس نے اپنا کھلونا خود ہی توڑ دیا ہو۔

اس نے ماتھے پر بکھرے بال ہاتھ سے ہٹائے۔ مگر وہ پھر بکھر گئے۔ ڈوپٹہ کندھوں پر پڑا رہا۔ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ ناک سے ٹھنڈی ہوا اندر کو کھینچی۔ ایک لمبا سانس لیا۔ اب وہ خود کو calm کر چکی تھی۔ بالکل normal جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ وہ سامنے کھڑا ہاتھوں کو پچھلے آدھے گھنٹے سے پہلو میں گرائے۔ اس کو بے بسی بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بس دیکھ رہا تھا ۔ شاید آخری بار۔

"اب جب سب کچھ ختم ہو ہی گیا ہے۔ تو شکایتیں کیسی۔"

www.novelsclubb.com

وہ بول رہی تھی۔ وہ سن رہا تھا۔ ہوا سے سیاہ بال اڑے جاتے تھے۔ کچھ ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ ادھر ادھر آوارہ سے پڑے ہوئے تھے۔ آج بھی وہ کالی پینٹ شرٹ میں قیامت ڈھا رہا تھا۔

"میں نے محبت کی تم نے بدلے میں دغا کی۔ میں نے تمہیں دل سے چاہا اور تم نے مجھے مزاق بنانا چاہا۔" وہ بول رہی تھی۔ بالکل نارمل انداز میں۔ جیسے ابھی کچھ دیر پہلے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ کوئی کیا سمجھ رہا تھا۔ کوئی کیا سوچ رہا تھا۔ آج اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ آج فرق پڑ رہا تو تو یہ کہ جو سامنے تھا۔ وہ، وہ نہیں تھا۔ وہ، وہ رہا ہی نہیں تھا۔ جسے اس نے چاہا تھا۔ جسے وہ جانتی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ مگر وہ ان سیاہ آنکھوں پر پھر سے بھروسہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ان کے بہکاوے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے کانوں سے سنے سچ کو نہیں جھٹلانا چاہتی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھی حقیقت کو نہیں رد کرنا چاہتی تھی۔

"بہر حال۔ ہماری کہانی یہیں اپنے اختتام کو پہنچی۔ ایک بار ہم ملے تھے ملنے کے لیے۔ ایک بار ہم ملے تھے بچھڑنے کے لیے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ میری کہانی مختصر محبت کی ہو گی۔ اور تمہاری کہانی طویل دھوکے کی۔"

www.novelsclubb.com

"اب تم سوچ رہے ہو گے۔ کہ جب کہانی ایک وقت میں شروع ہوئی اور ایک ہی وقت میں ختم ہوئی تو پھر تمہاری طویل کیوں ہوئی۔ ویسے تم خوب فراست و طبع، فہم وذکا کے مالک ہو۔ لیکن میں بتائے دیتی ہوں۔

کیونکہ لوگ محبتوں کو بھولا دیتے ہیں لیکن دھوکے ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ یاد رکھنا۔"

وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ اس میں کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔ نہ ہی کوئی سکت باقی بچی تھی۔ وہ مڑی زمین پر گرا بیگ اٹھایا اور چل دی مگر اس کے قدم ذرا دیر کو تھمے جب اس کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"کہانی کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ کہانی موڑ لیتی ہے۔ ایک دوسرا اور دوسرے سے تیسرا لیکن کسی بھی کہانی کا کوئی بھی اختتام نہیں ہوتا۔ ہماری کہانی باقی ہے ابھی۔" اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب تھا۔ کچھ بہت سرد سا۔

"لفظ ساحر ہیں۔ لفظوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے میرا۔" وہ مسکرادی۔

اذیت بھری مسکراہٹ۔ دل کو دہلا دینے والی مسکراہٹ۔

"گاؤں والی بڑی جلدی اعتبار اٹھ گیا۔"

اس نے اک آس سے کہا۔ خدا جانے وہ اب کیا چاہتا تھا۔ شاید وہ اسے پھر سے بیوقوف بنانا چاہتا تھا۔ اپنے لفظوں کے سحر میں لپیٹ کر پھر سے توڑنا چاہتا تھا۔ مگر وہ اب عقل سیکھ چکی تھی۔ ہوا تیز ہو رہی تھی۔ اس کے بال اڑ رہے تھے۔ زندگی اپنی ڈور ہاتھ میں پکڑے دوڑ رہی تھی۔

وہ چلی گئی۔ اس نے سن کر بھی ان سنی کر دی۔ اب نہ اسے کچھ سننا تھا۔ نہ ہی کچھ کہنا تھا۔

قصداً بھی اس نے میرے نالے کو

نہ سنا ہو گا گر سنا ہو گا

وہ گنگنایا اور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ کتنا ڈھیٹ آدمی تھا۔

کتنی آسانی سے کسی کا دل مٹھی میں بھینچ دیا۔ یہاں تک اس میں سے خون قطرہ، قطرہ زمین کو سرخ کرنے لگا۔ مگر اسے اپنی سفاکیت پر کوئی شرمندگی ہی نہیں تھی۔ کاش اسے کوئی بتاتا کہ دلوں کو نہیں توڑا کرتے ہیں۔ ان کے مقدمے خدا کی عدالت میں لڑے جائیں گے۔ جہاں نہ

جھوٹ کی اور نہ ہی کسی بچت کی کوئی گنجائش ہو گی۔سب حساب ہوں گے۔پھر شرمندہ کذاب ہوں گے۔

وہ سوچتی ہوئی کالج کے اس حصے میں پہنچ چکی تھی۔جہاں سے رزلٹ وصول کرنا تھا۔ریسیپشن میں آکر وہ میز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔اسے یہ تک معلوم نہ ہوا کہ اس نے گیٹ کب عبور کیا اور راہداری میں قدم کہاں رکھے تھے۔سب گڈ مڈ تھا۔

"جی بولیں۔"وہ ابھی کسی سوچ میں گم تھی۔جب میز کے دوسری طرف بیٹھا ایک نوجوان آدمی اس سے گویا ہوا۔

"جی۔۔جی وہ رزلٹ چاہیے۔"وہ ہڑبڑا گئی۔دیوار پر پیچھے قائدِ اعظم کی تصویر بنی تھی۔اس کے علاوہ وہ اس آفس میں کسی چیز کو نہ دیکھ سکی۔آنکھوں کے سامنے ایک ہی منظر تھا۔نہ ہی وہ منظر ہٹتا تھا اور نہ کوئی اور منظر بن پاتا تھا۔

"ادھر سامنے آفس والوں سے رابطہ کریں۔وہ آپ کو دے دیں گے۔"ریسیپشن والا آدمی بولا۔

وہ شکریہ کہتے باہر آ گئی۔

اب وہ سامنے بنے ایک آفس میں داخل ہو رہی تھی۔ دروازہ واہ کرنے کی دیر تھی کہ اندر لوگ ہی لوگ تھے۔ ایک بڑی سی لکڑی کی دیوار۔ اس کے پیچھے لوگ ان دیواروں پر نصب کمپیوٹرز کی سکرینز پر جھکے ہوئے تھے۔ پس منظر میں دیواروں پر بڑی بڑی الماریاں بنی تھیں۔ وہ سرخ اور سیاہ فائلز سے کچا کچ بھری پڑیں تھیں۔

اس سے کوئی ٹکرایا تو وہ ہوش میں آئی۔ "آپ کو کچھ چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔" "جی۔ جی وہ رزلٹ کارڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ سامنے والے بورڈ پر جائیں۔ وہ صاحب تمہیں دے دیں گے۔" اب وہ اسی مطلوبہ بورڈ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس سے ضروری چیزیں پوچھ رہے تھے۔ وہ بتا رہی تھی۔ اب وہ آدمی کی بورڈ پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ آدمی اسے ایک کاغز پکڑا رہا تھا۔ اس نے کاغذ لیا۔ اور شکریہ کہتے باہر نکل گئی۔

یہ دیواریں آج اسے دیکھ رہیں تھیں۔ یہ دیواریں اس بات سے واقف تھیں۔ لیکن یہ خاموش رہیں۔ یہ دیواریں اس لڑکی کے ساتھ غدار رہی تھیں۔ یہ چاہتی تو اسے بتا سکتی تھیں۔ یہ دیواریں

www.novelsclubb.com

آج بھی بہت کچھ جان گئی تھیں۔ لیکن یہ آج بھی وہی کر رہیں تھیں جو عرصہ پہلے کر چکی تھیں۔ کیونکہ یہ مجبور تھیں۔ کیونکہ دیواروں کے کان تو ہوتے ہیں۔ پر ان کی زبان نہیں ہوتی۔ یہ دیواریں آج بھی مجبور تھیں۔ بیچ بچاری مجبور دیواریں۔ کاش یہ بول سکتیں۔ تو آج دل کو کچھ راحت دے پاتیں۔ نہ یہ بول سکیں نہ وہ ان کی خاموشی کو سمجھ سکی۔ وہ چلی گئی۔ یہ کھڑی رہ گئیں۔ زندگی دور کہیں منہ تکتی رہ گئی۔

....

حال۔۔۔۔۔۔۔۔

"یار اماں سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔ میں پھر سے کسی پر اعتبار نہیں کر سکتی۔"۔۔۔۔۔

امبر چھت پر کپڑے سکھانے کے لیے ڈال رہی تھی۔ اس کی بڑی بہن کنزہ چھت کی ریلنگ سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ جو اس سے اپنی شادی کے بابت بات کر رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"اماں کو اب خود اماں بھی نہ سمجھا پائیں شاید۔" امبر اب ایک دوپٹے کو نچوڑ رہی تھی۔ آج کل کپڑے جلدی نہیں سوکھتے تھے۔ ہوا میں نمی رہنے لگی تھی۔ چھت پر ایک طرف گتے وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی کونے میں کچھ لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ شاید کسی چارپائی کے حصے تھے۔ بالکل چوکور اور بنے ہوئے۔ باقی ساری چھت خالی تھی۔ بیچوں بیچ ایک رسی لگی تھی۔ جس پر امبر کپڑے ڈال رہی تھی۔ چھت کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں۔ اگر تم کنزہ کی پشت پر دیکھو تو وہاں سے باقی گھروں کی چھتیں نظر آ رہی تھی۔ دور دور تک پھیلی چھتیں۔ کہیں کہیں بچے پتنگیں اڑا رہے تھے۔

"ایک شخص ہے جو اماں کو منا سکتا ہے۔"

www.novelsclubb.com

کنزہ کے دماغ نے دور کوئی گھنٹی بجائی۔ امبر کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ ذرا سے لرزے تھے۔ لیکن وہ چھپا گئی۔ یا پھر اس نے ایسے ظاہر کرنے کی کوشش کی جیسے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔ "اچھا تو واقعی کوئی ایسا ہے۔" وہ یقیناً طنزیہ کہہ رہی تھی۔ ساتھ ہی ایک ٹھنڈی آہ بھری ۔۔۔۔۔ بالکل نومبر کی ہوا جیسی آہ۔۔۔۔۔ "ہاں بالکل ایک آدمی ایسا ہے۔" وہ اب پلٹ چکی

تھی۔اس کی پشت امبر کی جانب تھی۔اس کے سامنے دنیا تھی۔اور پیچھے امبر تھی جو کپڑوں کو پھٹکار ، پھٹکار کے سکھانے کے لیے ڈال رہی تھی۔مصور کے لیے یہ ایک حسین منظر بن سکتا تھا۔کینوس پر یہ تصویر اگر اتر جاتی تو یقیناً نئے رنگ اور نئے انداز بکھیر دیتی۔لیکن کچھ منظر کبھی کوئی بھی قید نہیں کر سکتا۔

"وہی جو ہمارا باپ ہے۔" وہ ایک سفید رنگ کی قمیض کو رسی پر ڈال رہی تھی۔جب اس نے اس کے عین کان کے پاس سرگوشی کی۔یخ سرگوشی۔بالکل برف جیسی جامد۔وہ اچھل پڑی۔ قمیض گرتے گرتے بچی۔اسے محسوس ہی نہ ہوا وہ کب ریکنگ کے پاس سے اس تک پہنچی۔یا پھر وہ خود اس شخص کے بارے میں سوچ رہی تھی۔جس کا ذکر کنزہ نے کر دیا تھا۔

www.novelsclubb.com

اسے لگا کسی نے دسمبر کی بڑھتی ٹھنڈ میں اس کے برہنہ جسم پر برف ڈال دی ہو۔لوگوں نے آج تک گرمی میں صحرا کا منظر محسوس کیا تھا۔لیکن اگر کوئی امبر گیلانی سے پوچھتا تو وہ کہتی۔اوں ہوں، ٹھنڈ زیادہ اذیت دہ چیز ہے۔۔۔۔کسی شے کا جم جانا، کسی شے کے ختم ہو جانے کے مترادف ہے۔

"کتنی عجیب بات ہے۔جب باپ کاذکر ہوتا ہے تولوگ خوش ہوتے ہیں۔ایک تم ہو جو جم گئی ہو ۔کہو تو پانی کروں تمہیں۔" وہ ابھی کسی سوچ میں محو تھی۔جب کنزہ نے ایک اور سرد سرگوشی کی۔امبر کو لگا ہوا میں برف بھر گئی ہو جیسے۔یا پھر نومبر کی خنکی اچانک سے دسمبر کی سردی بن کر برسنے لگی ہو۔اور اس کے پاس نہ ہی کوئی گرم شال ہو۔نہ ہی اون کے موٹے کپڑے۔

کپکپاہٹ ہی کپکپاہٹ۔ہر طرف۔ہر جانب۔سردی ہی سردی۔

"مجھے باپ سے نہیں باپ کے کرتوتوں سے مسلہ ہے۔اور اچھا ہے تم ان کاذکر امی کے سامنے نہ ہی کرو۔" وہ پھر سے کپڑے ڈالنے لگ گئی تھی۔کنزہ ذرا دور ہٹ کے اسے دیکھنے لگی۔غور سے یا غرور سے۔

www.novelsclubb.com

"تم میں اتنی اکڑ کیوں ہے۔جو ہونا تھا ہو گیا۔سو بھول جاؤ اب۔جو گزر گیا ہے اسے دل پہ کیوں ٹھہرانا۔سب کے ساتھ ہوتا ہے۔یہاں مکمل خوش تو کوئی بھی نہیں۔بچہ کچھ ادھوری خواہشیں ہی جینے کا مزہ دیتی ہیں۔تم سمجھ جاؤ۔" کنزہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔وہ دونوں اکثر بحث پر اتر آتی

تھیں۔ان کے درمیان جتنی محبت تھی اس سے کہیں زیادہ بحث ہوتی تھی۔جس میں کبھی احترام کا عنصر نمایاں ہوتا تو کبھی سرے سے ہی غائب ہوتا۔بالکل بھی نہیں۔کچھ بھی نہیں۔

"اچھا۔۔۔اگر ایسا ہے تو ایسا کریں۔۔۔آپ امی کی بات مان لیں۔۔۔۔۔ویسے بھی مکمل خوشی تو کسی کو نہیں حاصل۔ادھوری خواہش ڈھارس بن جائے گی۔زندگی جینے کے لیے۔کیوں میں صحیح کہہ رہی ہوں ناں۔"

امبر نے کئی مرتبہ ٹھہر کر سانس لیا۔اس کی ہمیشہ کی عادت۔ٹھہر ٹھہر کر بولنے کی۔اب وہ کپڑے ڈال چکی تھی۔رسی کپڑوں سے بھر چکی تھی۔وہ بالٹی اٹھائے کنزہ کے قریب آئی۔کنزہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں ہمدردی لیے۔دل میں بہت کچھ تھا۔لیکن آپ اپنا دل کبھی کسی کو مکمل نہیں دیکھا سکتے۔کوئی نہیں دیکھتا۔لوگ پہلے ہی تھکے ہوئے ہیں۔وہ آپ کے غموں سے مزید اکتا جاتے ہیں۔یقین مانیں یہ دنیا اتنی غم زدہ ہے کہ کسی کے پاس آپ کو سمجھنے کے لیے تو دور سننے تک کے لیے بھی time اور capacity دونوں ہی نہیں ہیں۔

www.novelsclubb.com

اوں ہوں۔ بالکل بھی نہیں۔ کسی کے پاس بھی نہیں۔ کہانا ہر انسان کے پاس آپ سے زیادہ مسائل ہیں۔

اب وہ کنزہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔اس نے بالٹی قدموں کے قریب رکھ دی۔ بالٹی نے ذرا سی آواز کی۔اب وہ چھت کی گرل پر ہاتھ رکھے اوپر دیکھ رہی تھی۔ آسمان پر۔ بہت اوپر۔ جہاں دور کہیں چھوٹی چھوٹی پتنگیں اڑتی نظر آرہی تھیں۔ کنزہ بھی پلٹ چکی تھی۔ وہ بھی اب اس کی طرح سامنے منہ کیے کھڑی تھی۔

"وہ دیکھو۔۔۔۔۔"اس نے دور کہیں آسمان میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ کنزہ نے اس کی انگلی کی تقلید میں دیکھا۔ وہ نا سمجھی سے دوبارہ امبر کی طرف دیکھنے لگی۔"رکو بتاتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"وہ کہ رہی تھی۔ کنزہ نے دوبارہ ان اڑتی پتنگوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

www.novelsclubb.com

"یہ جو آسمان میں پتنگیں ہیں ناں۔یہ ہر لحظہ ایک دوسرے کو کاٹنے کے لیے تیار ہیں۔ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے سرگرداں ہیں۔۔۔۔۔"کنزہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا ۔لیکن وہ وہیں دیکھ رہی تھی۔

"پتہ ہے یہ کب تک لڑ سکتی ہیں۔جب تک ان کو اڑانے والے ان کی رسی کو ڈھیلا نہ چھوڑیں۔ جب تک وہ ہار نہ مانیں۔تب تک یہ بھی ہار نہیں مانیں گی۔"

"جیت۔۔۔۔۔اوں ہوں۔"میں جیت کی نہیں ہار کی بات کر رہی ہوں۔"کنزہ نے ایک لفظ ہی بولا تھا۔جوامبر نے اس کے منہ سے اچک لیا تھا۔"جیت اہم نہیں ہے۔لڑنا اہم ہے۔"

"مطلب۔۔۔۔۔"کنزہ کے سر سے گزر گئی۔

"بالکل سادہ۔زندگی کے سفر میں کبھی بھی جیت اہم نہیں ہوتی۔جو اہم ہوتا ہے۔وہ ہے کوشش،کوشش معنی رکھتی ہے۔یار میرے نزدیک ہار exist ہی نہیں کرتی۔آپ جب تک ہار مان نہیں لیتے آپ ہار ہی نہیں سکتے۔جب آپ خود سے ہار مان جائیں گے تب آپ ہار جائیں گے۔"

www.novelsclubb.com

"یعنی۔۔۔۔۔" کنزہ اس کی باتوں سے جھنجھلا جاتی تھی۔ لیکن اسے اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں ۔اس نے سانس لے کر پھر سے بولنا شروع کیا۔

"یعنی کہ ہار ہوتی ہی نہیں ہے۔۔۔۔جو ہوتی ہے وہ فتح ہے۔جو چیز exist کرتی ہے وہ صرف success ہے۔اس کا الٹ کوشش ہے۔ہار نہیں ہے۔یہ تو ہم ہیں جو ہار مان کر بیٹھ جاتے ہیں۔اصل میں یہ ہم ہیں جو ہار کو جنم دیتے ہیں۔ورنہ تو ہار ناپید ہو جائے۔اگر ہم ایسا کرنا چھوڑ دیں۔ہم نے پتہ ہے کیا کیا ہے۔۔۔۔۔" وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔کنزہ بنا پلک جھپکے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔"ہم نے کامیابی کے الٹ کوشش کو رکھنا تھا۔ہم نے ایک بار پھر سے کوشش کرنی تھی۔ہم نے **try try again** کو صرف ایک کہانی سمجھ لیا۔جس میں سے نمبر لیے اور پاس ہو گئے۔ہم نے اسے کبھی اپنی زندگی پر لاگو کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ہم اگر ناکام ہوئے تو کیا کیا ہم نے؟۔۔۔۔" وہ کسی درمیان میں رک رک کر سانس لے رہی تھی۔یہ اس کی عادت تھی اور وہ ہمیشہ ٹھہر کر بولتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"ہم نے ناکامی کو سر چڑھالیا۔ ہم نے کوشش کو سر چڑھانا تھا۔ ہم نے کوشش کرنے والا بننا تھا ۔ ہمیں کوشش کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم سے کوشش کا کہا گیا۔ ہمارا اصل کوشش ہے۔ سو ہمیں فقط کوشش کرنی تھی۔ کامیابی اور ناکامی ہمارا مسلہ کبھی تھے ہی نہیں۔ وہ تو اللہ کی دین تھی۔ وہ اللہ کے کام تھے۔ وہ ہمارے نہیں تھے۔ وہ اللہ نے دینے تھے۔ ان کی فکر ہم نے نہیں کرنی تھی۔ جو ہم نے کرنی تھی وہ کوشش تھی۔ مگر ہم کیا کرنے لگے ہم نے اپنے ایمان کو لٹکا یا جیت اور ہار پر ۔ ہم نے درمیان کو چھوڑ دیا۔ ہم یا بہت peak پر پہنچ گئے۔ یا پھر بہت نیچے چلے گئے۔ جبکہ جو ہمارے لیے تھا۔ وہ درمیان تھا۔ اور درمیان کوشش ہے۔ آج ہم کامیاب نہیں ہیں۔ آج ہم پس مردہ ہیں۔ پریشانیوں میں ڈوبے ہوئے۔ زندگی کی دھول میں غرق ہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے اصل کو رد کر دیا ہے۔ کیونکہ ہم نے زندگی کو صرف دو نظریوں سے دیکھا ہے۔ یا تو جیت ہو گی یا پھر ہار ہو گی۔ نہ اس کے آگے کچھ دیکھا اور نہ اس کے پیچھے کا کچھ سوچا۔ بس ہماری کہانی اس لیے بہت مختصر ہوتی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہمارا کوئی main idea ہی نہیں ہے۔ ہمارا ایک start ہوتا ہے اور دوسرا end ہوتا ہے۔ ہمارا کوئی between رہا ہی نہیں ہے۔ اصل میں ہم نے اپنے درمیان کو سرے سے ہی کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ اس لیے آج ہم مسائل کا شکار

ہیں۔خود ترسی کو آ پہنچے ہیں۔کیونکہ ہم نے چیزوں کو اپنے مطابق لے کر چلنا شروع کر دیا ہے۔ جبکہ ہم نے چیزوں کو اللہ کے مطابق لے کر چلنا تھا۔اس کے بتائے راستے کو اپنانا تھا۔اس کا کہا ماننا تھا۔اور ہم نے کیا کیا۔ہم نے خود اپنے لیے راستے چن لیے۔ہماری تو منزل طے تھی۔ہم اس سے ہٹ کر اپنا آشیانہ بنانے لگے۔"وہ بولتے بولتے تھک چکی تھی۔اب وہ ٹھہر گئی تھی۔ اس نے رک کر سانس لیا۔اس کی یہ عادت بہت خوبصورت تھی۔اس کا انداز بات کو مزید خوبصورت بنا دیتا تھا۔کنزہ اب بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔لیکن دور کہیں وہ کچھ اور دیکھ رہی تھی۔کہاناں۔ہر انسان کے اپنے مسلے ہیں۔"ایک بار کسی چیز کا برا تجربہ یہ ثابت نہیں کرتا کہ اگلی بار بھی وہی ہو گا۔ایک بری شادی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اگلی مرتبہ بھی زندگی پیچیدہ ہو گی۔"وہ کہہ رہی تھی۔سامنے والی شاید سن رہی تھی۔شاید بس سن ہی رہی تھی۔وہ شادی کے نام سے ہمیشہ گھبراتی تھی۔کچھ تجربے اتنے برے ہوتے ہیں کہ ان کا نام بھی آپ کو دہلا دیتا ہے۔مگر کنزہ کی باتیں تھوڑی بہت ہی صحیح اس کے دل و دماغ پر اثر کر رہی تھیں۔

"دیکھا کٹ گئی۔۔۔۔"امبر آسمان پر سے گرتی پتنگوں میں سے ایک پتنگ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔وہ پتنگ اب ان کے آسمان کی طرف آ رہی تھی۔اس نے اپنا آسمان چھوڑ دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ہوا کا رخ اس طرف ہو لازمی تھوڑی ہے۔وہ پتنگ کٹ کر آ رہی ہو"۔ کنزہ کو اس کی نیگیٹو سوچ سے ہمیشہ خار ہوتی تھی۔وہ اکثر اس کی پیچیدہ باتوں میں تمیز نہیں کر پاتی تھی۔یا پھر وہ اس سے کبھی سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔انسان اتنا چھپا ہوا ہے کہ جس کے ساتھ پوری زندگی گزار دے۔اس سے بھی گہرے راز چھپا لیتا ہے۔انسان بہت گہرا راز ہے۔

"وہ پتنگ کٹ گئی ہے کنزہ۔"اسے جب کنزہ کو کسی بات کا احساس دلانا ہوتا تو وہ آپی یا آپ کی جگہ اکثر اس کا نام لیتی تھی۔

"بتاؤ کیسے۔۔۔۔"کنزہ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔جو دور ایک چھت پر ٹکی تھیں

۔

www.novelsclubb.com

"جو اسے اڑان دے رہا تھا۔اس کا دھیان بھٹک چکا تھا۔جس کے دم پر پتنگ اڑ رہی تھی۔وہ کسی اور شے پر جھک گیا۔"دور چھت پر بچہ ڈور ہاتھ میں پکڑے ساتھ والے بچے سے کچھ لے کر کھا رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں پکڑی رسی ڈھیلی پڑ چکی تھی۔مقابل بچے نے اسی چیز کا فائدہ اٹھایا اور ڈور کاٹ دی تھی۔اب وہ اس بچے کو اشارہ کر رہا تھا۔جو اسے چیز دے رہا تھا۔شاید وہ اسے بھٹکانے

آیا تھا۔اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو چکا تھا۔کیونکہ اس کے ہاتھ میں جو ڈور تھی وہ اب بالکل ڈھیلی ہو چکی تھی۔بچے کو احساس ہونے تک پتنگ کہیں دور جا چکی تھی۔بچہ نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

یہ سب اس کے ساتھ والے نے کیا ہے۔کنزہ کو اس بچے پر غصہ آیا۔

"نہیں یہ سب اس نے خود اپنے ساتھ کیا ہے۔"امبر نے اس کی بات سے بالکل نفی کر دی تھی

۔

"اس نے بچے تمہاری آنکھوں کے سامنے اس سے غداری کی ہے۔"کنزہ کو اس کا ڈھیٹ پن ہمیشہ کھٹکتا تھا۔

"اس کے لیے پتنگ اہم ہوتی تو وہ دور و پے کی چیزوں پر نہ جھکتا۔مگر وہ جھک گیا۔اس کا دھیان بھٹک گیا۔پتنگ کٹ گئی۔اب وہ دور جا چکی ہے۔بہت دور۔۔۔۔"اس کی آنکھوں میں زخمی پن تھا۔

کنزہ اب سمجھ چکی تھی۔وہ کہاں کی بات کہاں کر رہی تھی۔وہ کس چیز کو کونسا رنگ دے رہی تھی۔وہ خود کو کٹی پتنگ کہہ رہی تھی۔وہ کنزہ کو نئی زندگی کی شروعات کے لیے کوشش کرنے کا

کہ رہی تھی۔اگر یہ ایک پہیلی تھی۔تو کنزہ اسے اتنا ہی جوڑ سکتی تھی۔لیکن ابھی بھی پہیلی کا ایک پزل رہتا تھا۔ہر سرا اپنے وقت پر دوسرے سرے سے جڑ پاتا ہے۔اس کا پہلا سرا شاید جڑ چکا تھا ۔مگر دوسرا سرا شاید وہی تھا۔جس کا ذکر وہ کر کے بھی نہ کر سکی تھیں۔جس کا ذکر ابھی تک دھندلا تھا۔دھند کے اس پار کیا ہے۔یہ ایک ہی صورت معلوم ہو سکتا ہے۔جب راز کو معلوم کرنے کے لیے دوسرے گھاٹ میں اترا جائے۔مگر اترنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔اور کبھی کبھی تو بہت آسان بھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔اس پار شاید وہی تھا۔جو ہو کر بھی کہیں نہیں تھا۔جس نے اپنا دھیان بھٹکا لیا تھا۔وہ جس کی پتنگ اب دور کہیں نکل چکی تھی۔اس کی پہنچ سے آگے۔ اس کی زمین سے باہر۔بہت آگے۔یا شاید کہیں بہت باہر بھی۔ہر راز خود کو فاش کرتا ہے۔مگر اپنے وقت پر۔درست وقت پر۔جب اسے ہونا ہو،ہو جاتا ہے۔جھنجھلاہٹ،بے چینی،بے سکونی سب ایک ہی کڑی کے مختلف حصے ہیں۔

••••••••••••••••

نومبر سب کے لیے ایک جیسا تھا۔ گرمی سے چھٹکارا دلانے والا۔ سردی کی آمد کا پتہ دینے والا۔ روح کو سکون بخشنے والا۔ چلتی سانسوں میں تازگی بھرنے والا۔ دلکش نومبر، پر سکون نومبر۔ آہ، ہر طرف ہلکی مگر خنکی بھری ہوا لہک لہک کر چل رہی تھی۔ ہر چہرے پر خود بہ خود ایک مسکراہٹ بکھیر رہی تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے گرمی بنا کسی وجہ کے ہر ذی روح کے چہرے پر جھنجھلاہٹ دوڑا دیتی ہے۔ یہ موسم تھے۔ ان کے بدلتے رویے دلوں تک کو متاثر کرتے تھے۔ لوگ سردیوں کی تیاریوں میں غرق تھے۔ عورتیں رضائیوں کو ہلکی، ہلکی دھوپ لگوا رہی تھیں ۔ہر چھت پر ایک آدھ رضائی پڑی تھی۔ پرندے چہچہاتے ہوئے خوشیاں منا رہے تھے۔ چیونٹیاں قطار در قطار سردیوں کی سوغات جمع کرنے میں سر راہ مصروف تھیں۔

www.novelsclubb.com

اگر ان چیونٹیوں کی قطار کا پیچھا کریں۔ دبے پاؤں ان کے پیچھے چلتے رہیں۔ تو یہ قطار ایک سفید رنگ کے دروازے کے سامنے کسی غیر معمولی بل میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اب ہم یہاں سے اس قطار اور چیونٹیوں کو چھوڑ کر ذرا سا پیچھے ہٹ کر سامنے دیکھیں۔ تو ایک گھر پر صاف صاف

کنندہ ہے سلطان ہاؤس۔یہی ہمارا مطلوبہ گھر ہے۔اس گھر میں داخل ہوں۔داخلی دروازے سے ملحقہ لاونج کو نظر انداز کرتے ہوئے۔سامنے کی سیڑھیوں پر چلتے چلتے جو سب سے پہلے کمرہ آئے اس میں گھستے ہیں۔ہمارا مطلوبہ کردار اسی کمرے میں موجود ہے۔

دروازہ کھولتے ہی سامنے بیڈ پر وہ براجمان ہے۔آلتی پالتی مارے کتاب ہاتھ میں پکڑے۔ہمیشہ کی طرح چست اور خوبصورت۔مگر کسی سوچ میں گم۔کوئی کسی کے دل کو توڑنے کے بعد سکون میں کیسے رہ سکتا ہے۔یہ ممکن ہی نہیں ایک تڑپ رہا ہو۔اور دوسرا آرام سے زندگی کے مزے اڑائے۔اس کی سیاہ آنکھوں میں سرخ رنگ کے ڈورے صاف نظر آرہے تھے۔جیسے وہ کچھ دیر پہلے واشروم سے رو کر آیا ہو۔اس کے سیاہ بال گیلے تھے۔جو پانی سے اوپر کی طرف کیے گئے تھے۔مگر باوجود اس کے ڈھیٹوں کی طرح ماتھے پر گرے جاتے تھے۔

فون کی بجتی گھنٹی نے اسے دل کے زخموں سے کھینچ کر باہر نکالا۔

موبائل پر طلال کالنگ جگمگا رہا تھا۔اس نے نظروں میں کوفت لیے سائیڈ پر پڑے موبائل کو دیکھا۔اس کے چہرے کے تنے تاثرات میں کوئی کمی نہ آئی۔

www.novelsclubb.com

"اس کو بھی چین نہیں ہے۔ایک پہلے دماغ خراب ہے اوپر سے یہ سر چاٹنے آجاتا ہے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے کال کاٹ رہا تھا۔کال کرنے والا بھی بڑا ہی ڈھیٹوں کا سردار واقع ہوا تھا۔وہ کاٹے جاتا تھا۔اور وہ ماہا ڈھیٹ کیے جاتا تھا۔

"ڈھیٹوں کے سردار بک۔۔۔۔کہ کون سا درد اٹھ رہا ہے۔جو تجھے سکون نہیں لینے دیتا۔ویسے ایک بات بتا یہ تیری زندگی میں سالا کوئی کام وام نہیں ہے۔ہر دو منٹ بعد مجھے گھنٹی دینے لگ جاتا ہے۔"

دل کا خمار اب سر کو چڑھ چکا ہے۔"میرے یار پہلی جدائی مبارک ہو۔۔۔۔"سامنے والا زور زور سے ہنس رہا تھا۔کوئی کسی کے درد پر ایسے کیسے ہنس سکتا تھا۔

"بکواس بند کرو۔یہ کہنے کے لیے مجھے کال کی تھی تم نے۔ہاں یہ سب بکواس کرنے کے لیے ۔۔۔۔"اس کا دماغ سچ میں خراب لگتا تھا۔پہلے سے کہیں زیادہ۔بہت زیادہ۔

دوسری طرف فون پر قہقہے بلند ہو رہے تھے۔جیسے کوئی اس کی ناکام محبت کا جشن منا رہا تھا۔

"دیکھ اب ہنسنا بند کر۔ ورنہ میں تمہیں سیدھا بلاک لسٹ میں پھینکنے لگا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ اپنی آواز کو قابل حد تک نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کا گلا بالکل رندے جاتا تھا۔

"نہ، نہ، ایسا مت کرنا۔ یہ غلطی تو تو اب غلطی سے بھی مت کرنا۔۔۔۔۔ ناکام عاشق۔۔۔" دوسری طرف سے طنز بھری آواز ابھری۔ جس میں ہنسی کی رمق بھی شامل تھی۔

"میری ناکامی کا مزاق اڑا رہا ہے تو۔ ہیں ناں۔ میرا مزاق بنا رہا ہے ناں۔ تمہیں۔۔۔ تمہیں بہت مزہ آ رہا ہے ناں میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر۔" حمزہ کی اب بس ہو گئی تھی۔ وہ اب اور نہیں سہہ سکتا تھا۔ دوستوں کے سامنے اداکاری نہیں ہوتی۔ دوست وہ واحد مخلوق ہوتے ہیں۔ انسان جن کے کاندھوں پر زبردستی بھی سر رکھ سکتا ہے۔ سو۔ وہ بھی پھٹ پڑا تھا۔

www.novelsclubb.com

"نہیں یار۔۔۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تو بس افسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔۔ سچ بہت غلط ہوا ناں تیرے ساتھ۔۔۔۔۔۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اللہ کسی دشمن کے ساتھ بھی ایسا نہ کرے۔" اس کے الفاظوں سے اداکاری اور بناوٹ صاف ظاہر ہوتی تھی۔ یہ ہمدردی کے بول دل پر برچھی بن کر برس رہے تھے۔

"فون کیوں کیا تھا۔" حمزہ نے ایک لمبا سانس اندر کھینچا۔ خود کو نارمل کرنے کی کوشش۔ وہ اس کا دوست تھا۔ اس کا کمفرٹ زون تھا۔ اس کی موجودگی دل کے بوجھ ختم نہیں کرتی تھی۔ مگر کم ضرور کر دیتی تھی۔

"میرے یار کی پہلی رات ہے ہجر کی اور میں شریک غم بھی نہ ہوں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" حمزہ کی رونے کی آواز اب اس کے گھٹتے سینے سے باہر نکلنے لگی تھی جب دوسری طرف فون پر موجود طلال نے اسے آواز لگائی۔

۔ کئی بار انسان کمزور نہیں ہوتا۔ بس غم بڑے اور طاقت ور ہوتے ہیں۔ کئی بار ہم نہیں روتے۔ بس آنکھیں بھر آتی ہیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی آواز باہر آجاتی ہے۔

www.novelsclubb.com

"ارے ارے۔۔۔۔ بھائی مرد بن مرد۔۔۔ کیا کر رہا ہے۔ بھول گیا وہ فارمولا اپنا تھا جو بہت پرانا ۔درد کو سہنے کا تھا واحد وطیرہ وہ اپنا۔۔۔۔۔۔ یاد کر۔۔۔۔۔۔" کیسا دوست تھا جو رلاتا بھی تھا۔ مگر رونے بھی نہیں دے رہا تھا۔

حمزہ کی آنکھوں کے سامنے کالج کا ایک منظر گھوم گیا۔جب وہ کلاس کی کھڑکیوں کو پھلانگ کر فرار ہو رہے تھے۔اور کسی بچے نے چغلی کر دی۔جس کی وجہ سے وہ اور اس کے دوست پکڑے گئے تھے۔اس وقت ان کے بائیولوجی کے سر نے انھیں میز پر الٹا لٹکا کر ڈنڈے پھیرے تھے ۔بھاگنے کی سزا سب کے لیے یہی تھی۔پھر چاہے وہ حمزہ سلطان ہو یا کلاس کا کوئی بھی نالائق بچہ ۔اصول سب پر لاگو ہوتے تھے۔مار پڑنے کے بعد سب کے سب کھڑے تھے۔نہ بیٹھا جاتا تھا اور نہ وہ بیٹھ سکتے تھے۔سر ہمیشہ ہی انھیں الٹا لٹا کر مارتا تھا۔جیسے وہ کسی زمانے میں تھانیدار رہ چکے ہوں۔حمزہ کی یہ پہلی مار تھی۔اس لیے اس کے لیے اسے برداشت کرنا مشکل تھا۔

"یار بہت درد ہو رہا ہے۔مجھ سے نہیں یہ برداشت ہو رہا ہے۔حمزہ اپنے دوستوں سے کہہ رہا تھا ۔"جو سب اس کی طرف ایسے دیکھ رہے تھے۔جیسے ان کے اوپر تو سر نے ڈنڈے کی جگہ پھولوں کی برسات کر دی ہو۔"ہاں ہمیں جیسے بہت مزے آ رہے ہیں ناں۔۔۔نہیں بلکہ بہت ہی خاص اور اچھا فیل ہو رہا ہے ہمیں تو۔۔۔"ان میں سے ایک تنک کر بولا۔

www.novelsclubb.com

"ایک طریقہ ہے میرے پاس۔جو مرد کے ہر درد کو کر دے ختم۔۔۔۔"طلال نے انھیں ایک نئی خبر سنائی۔حمزہ کو یہ طریقہ جاننے کا بڑا تجسس ہوا۔"بولو بولو۔۔۔۔۔۔"وہ سارے بولنے لگے۔جب طلال نے بولنا شروع کیا۔

"اچھا تو بھائیو سنو! ہم مرد ہیں،۔۔۔۔۔مرد۔کیا ہیں مرد۔"اس نے اپنی بات پر زور دیا تو سب نے کہنا شروع کیا ہم مرد ہیں۔

تو ہم کس کے مرد ہیں۔؟اب وہ سب سے سوال پوچھ رہا تھا۔سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔کسی نے کہا گھر کے، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا۔

"غلط جواب۔مایوسی ہوئی مجھے۔کیسے مرد ہو تم لوگ۔"طلال کو جو جواب مطلوب تھا۔وہ کسی نے بھی نہ دیا۔البتہ وہ سب اس غم میں اپنے درد کو ضرور بھول گئے تھے۔

" صحیح جواب یہ ہے کہ ہم پاکستان کے مرد ہیں۔جوان مرد۔پاک مرد"وہ ایک عزم سے بولا۔یہ جواب تو سب کو آتا تھا۔سب ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"لیکن درد کم کرنے کا فارمولا یہ ہے کہ اب ہم چوں کہ مرد بھی ہیں۔جوان بھی ہیں اور پاکستان کے بھی ہیں تو یہ کہ

مرد کو درد نہیں ہوتا۔خاص طور پر جب وہ پاکستانی مرد ہو۔ "

بس بھائی ہمیشہ یاد رکھنا مرد کو درد نہیں ہوتا۔جیسے ہی طلال نے یہ کہا سب کا درد ایک بار پھر سے تازہ ہو گیا۔بس پھر کیا تھا طلال آگے،آگے۔۔۔۔کبھی کسی میں بجتا تو کبھی کہیں بھیڑ سے راستہ بناتا۔اپنی جان بچاتا بھاگ نکلتا۔سارے لڑکے حمزہ سمیت اس کی جان کے پیچھے پڑے تھے۔

کالج میں ہنگامہ ہی برپا ہو گیا تھا۔سب ایک طلال کے پیچھے تھے۔حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ چلنے کے بھی قابل نہیں تھے۔جو بھی تھا درد ہوا تھا۔مگر اب وہ بھول چکے تھے۔

www.novelsclubb.com

"ہنسا دیا میں نے۔بس اسے کہتے ہیں جگری یار۔"حمزہ اسی خیال میں محو زور زور سے ہنس رہا تھا۔جب فون سے آتی آواز نے کالج کی اس یاد کو چھناک سے توڑ کر حال کا کرب دکھایا۔

)"تم پچھتاؤ گے اور پچھتاوے زندگی بھر کا بوجھ ہوتے ہیں۔)"

حمزہ کے کانوں میں اس کی کئی ماہ پہلے کہی ہوئی بات گونجی۔وہ اسپیکر پر موجود شخص سے کہنا چاہتا تھا۔کہ دیکھو میں بچھتا رہا ہوں۔دیکھو تم صحیح کر رہے ہو میرا مزاق بنا کر۔کیونکہ میں نے غلط کیا تھا تمہاری نہ مان کر۔تمہاری بات کو رد کر کے۔

)"تم، تمہیں مزاق سوجھ رہا ہے حمزہ سلطان یہ مخول کرنے کا وقت نہیں ہے سمجھے تم)"

کتنی عجیب بات تھی ناں۔کہاں وہ اپنے دوست کی بات کو سریس نہیں لے رہا تھا۔بلکہ الٹا سریس کنڈیشن میں مزاق کر رہا تھا۔اور اب جب وہ اس مقام پر تھا۔تو اس کا دوست اس سے مزاق کر رہا تھا۔وہ بدلہ لے رہا تھا۔وہ اسے بتانا چاہ رہا تھا۔جب کوئی آپ کے سامنے آپ کے لیے بے بس ہو رہا ہو تو اس کی بھی سن لینی چاہیئے۔ہر بات کی اہمیت نہیں ہوتی ہو گی لیکن ہر شخص کی اہمیت ہوتی ہے۔جب کوئی آپ سے کچھ کہنا چاہے تو اسے سن لینا چاہیئے۔اس کے لیے نہ سہی اپنے لیے سہی۔ کبھی کبھی کسی کی سن لینی چاہیے۔احساس ہو رہا تھا۔یا پھر وہ کروا رہا تھا۔ لیکن حمزہ کو ہر شے دل میں کھبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

)تم یہ بوجھ نہیں اٹھا پاؤ گے، میری بات مان جاؤ جو ابھی ایک فیصلہ لگ رہا وہ آنے والے وقت میں گلے کا پھندا بن جائے گا۔)

کبھی کبھی انسان کتنی سنجیدہ باتوں کو بھی کتنے ہلکے مذاق میں اڑا دیتا ہے۔انسان کو اپنے فیصلے خود لینے چاہیئے۔غلط نتائج آئیں یا پھر درست آئیں۔لیکن انسان کو مشورہ کر لینا چاہیے۔مشورے میں برکت ہوتی ہے۔زندگی بہت ظالم ہے یہ برکت کے بغیر گلے کے پٹے کس دیتی ہے۔کاش اس نے اس وقت طلال کی سن لی ہوتی۔کاش اس نے دل کی سن لی ہوتی۔کاش اس نے کسی اور سے نہ سہی اپنے دل سے مشورہ کر لیا ہوتا۔تو آج وہ فیصلہ گلے کا پھندا نہ لگ رہا ہوتا۔

(تم کہو گے ایک دن کہ تم نے اپنے ساتھ ظلم کیا تھا۔")

www.novelsclubb.com

کتنی آوازیں تھیں جو صور کی طرح اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔کتنی باتیں تھیں جو سوئیں کی طرح دل میں چبھ رہی تھیں۔کاش انسان اپنے ساتھ ظلم نہ کرے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح نہ دے۔ظلم تو ظلم ہوتا ہے۔چاہے اپنی ذات سے کیا گیا ہو۔یا پھر دوسروں کے ساتھ۔ظلم کی کوئی جسٹیفیکیشن نہیں ہوتی۔ظلم، ظلم ہوتا ہے۔وہ مان رہا تھا اب کہ اس

نے اپنے ساتھ ظلم کیا تھا۔ مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ بہت دیر۔ روح اگر جسم کو چھوڑ جائے تو پلٹ کر نہیں آیا کرتی۔ اس کی آنکھوں سے ایک قطرہ کبھی نہ پلٹنے کے لیے بہتا چلا گیا۔ حمزہ نے چہرہ صاف کیا۔ گرے کلر کی شرٹ جس کے بازو کہنیوں سے اوپر تک انھیں آدھے بازوؤں سے کسی نہ کسی طرح آنکھیں رگڑیں۔ دائیں آنکھ کو بائیں بازو سے اور بائیں آنکھ کو دائیں بازو سے۔ سائیڈ ٹیبل پر ایک عدد ٹشو سے بھرا ڈبہ یونہی پڑا رہا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ وہ ہمیشہ جب بھی روتا آستین سے آنسوؤں صاف کرتا تھا۔ سوں سوں کی آوازیوں ہی آتی رہی۔ یہاں تک وہ بیڈ پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔

دل میں ٹیسیں اٹھتی رہیں۔

آنسو تکیے میں جذب ہوتے رہے۔

مرد کو درد ہوتا رہا۔۔۔۔

اور مرد کو بھی درد ہوتا ہے۔۔۔۔۔

مرد روتا رہا۔۔۔۔

www.novelsclubb.com

مرد بھی روتا ہے۔۔۔۔

انسان کو ایسے فیصلے کبھی نہیں لینے چاہئیں جو اسے اندر سے ختم کر دیں۔

••••••••••••

سورسنگ پر آج کی صبح نہایت اطمینان کے ساتھ اتری تھی۔رات کی تاریکی اپنے اندر کئی راز سموئے کہیں دور گم ہو گئی۔آسمان گرد آلود تھا۔لگتا تھا کہیں سے دھواں اٹھا اور اس نے آسمان پر قبضہ کر لیا۔نومبر میں دن ایسے ہی ہوتے تھے۔صبح، صبح دھند کا سماں ہوتا تھا۔پھر گزرتے دن کے ساتھ مدھم مدھم سی روشنی لیے سورج چرخ پر روشن ہوتا۔سورج سے نکلتی کرنیں آسمان پہ پھیلے دھوئیں کو مات دے دیتیں اور ایک بار پھر آسمان پر ان کرنوں کا راج ہوتا۔بڑھتی ٹھنڈ میں یہ دھوئیں تو ختم ہو جاتے لیکن گہرے بادل اپنے پر پھیلائے سورج کی کرنوں کو دبوچ لیتے اور ایک بار پھر آسمان کو سورج کے بغیر اور دن کو روشنی کے بنا رہنا پڑتا۔ٹھنڈی ہوا نمی سے بھری ہوئی تھی۔آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔لگتا تھا کسی بھی پل بارش ہونے لگے۔

بادلوں کی نہ برسنے والی بارش میں گم وہ کھڑکی سے جھانکتے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔کل جو ہوا وہ کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔وہ سفید سوٹ میں ملبوس تھی۔ڈوپٹہ ایک کندھے پر پڑا ہوا تھا۔سیاہ لمبے بال آگے پیچھے کو بے ترتیبی سے پھیلے ہوئے تھے۔ہوا کے نادیدہ جھونکے اس کے آبشار سے بالوں کو اڑاتے چلے جاتے تھے۔اس کا چہرہ دھلا،دھلا تھا۔منہ پر کہیں کہیں پانی کی چھینٹیں تھیں۔چہرہ دھو تو لیا تھا مگر شاید صاف کرنا بھول گئی تھی۔اس کی مورنی سی آنکھیں رونے کی وجہ سے مزید سبز اور سنہری ہو گئی تھیں۔ناک سرخ ہو رہا تھا۔نرم سفید رخسار رگڑ رگڑ کر خون رنگ کر رکھے تھے۔ہر شے ایک ہی داستان سناتی تھی کہ:

"کسی کا گھر ٹوٹ جائے مگر کسی کا دل نہ ٹوٹے۔"

www.novelsclubb.com

کسی کا گھر تو دوبارہ جڑ سکتا تھا،لیکن کسی کا دل پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔کم از کم دعا کا تو نہیں ہو سکتا۔

یہ جو بن آواز کے چیزیں ٹوٹتی ہیں۔یہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ان پر افسوس صرف اپنے آنسو ہی کر سکتے ہیں۔ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھی جب کوئی دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تھا۔

"چائے۔"آواز وہی تھی جو گزری رات اس کی ہم راز رہی تھی۔

گرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس وہ مومنہ صفدر تھی۔دعاصفدر کی چھوٹی بہن۔مومنہ ہمیشہ سچ کہتی تھی۔وہ اگلے آدمی کا بھرم نہیں رکھتی تھی۔وہ سچ کو منہ پر تھپڑ کی طرح مارتی تھی۔اس بات پر اس کے اور دعا کے درمیان کئی بار arguments بھی ہوئے۔کئی بار یہ بات ابا تک جا پہنچی لیکن مومنہ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"جو سچ ہے وہ سچ ہے نہ اس سے آگے کچھ ہے اور نہ ہی اس کے بعد کچھ ہے۔"

"جو دل پر ضرب لگائے وہ سچ اچھا نہیں ہوتا".

اس کی دلیل کے جواب میں دعا نے اپنی دلیل پیش کی۔ابا دونوں کی طرف گھورتے رہے۔

"جھوٹے سہارے دل کی ایسی کی تیسی کر دیتے ہیں۔اس لیے اچھا ہے وقتاً فوقتاً ضربیں لگتی رہیں تو دل کھوکھلا ہونے سے بچ جاتا ہے۔"

"مطلب۔"دعا تنک کر بولی۔

"مطلب سچ سننا آنا چاہیے۔سب کو آنا چاہیے۔اپنا سچ ہر کسی کو معلوم ہونا چاہیے۔کیونکہ یہ ہر کسی کا حق ہے کہ وہ اپنے سچ کے بارے میں جاننے۔اور جو کسی کا حق کھاتا ہے۔وہ صریحاً غلط کرتا

ہے۔سو میں اس قاعدے کے حق میں نہیں ہوں کہ دو اضافی لگا کر ایک سچی معلومات کو ڈھک دو۔"

ابا بھی اس کی بات سے متاثر ہوئے۔دعا لیکن، لیکن کرتی رہ گئی۔مگر وہ سب سنا ان سنا کر کے چلی گئی۔اس کے بعد جب بھی دعا کو سچ سننا ہوتا تو وہ اکثر مومنہ سے بات کرتی تھی۔کیونکہ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتی تھی۔کیونکہ اسے تین کے ساتھ ایک لگا تیرہ بنانے سے نفرت تھی۔

اس نے چائے میز پر رکھ دی۔مٹی کا کپ کانچ سے ٹکرایا تو خاموش کمرے میں ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ نہیں پلٹی۔یوں ہی کھڑی رہی۔بنا کچھ کہے۔بنا کچھ دیکھے۔ایک نقطے پر جامد۔یہ acceptance کا دورانیہ تھا۔اور قبولیت ہمیشہ وقت لیتی ہے۔اب اسے قبول کرنا تھا۔اب اسے آگے بڑھنا تھا۔جو ہوا اسے چھوڑ کر زندگی کی دوڑ میں حصہ دار بننا تھا۔لیکن یہ سب وقت لیتا ہے۔

"سفید کیوں۔۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

مومنہ اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔چائے پیچھے میز پر رکھی ٹھنڈی ہوا میں گرم بھاپ اڑاتی رہی۔ دعا نے گہری سانس لی۔دل کے درد کو تھپکی دی۔اگر دل کا درد تھپکی دینے سے سو جاتا تو آج تاریخ میں ہزاروں صفحات پر سرخ رنگ نہ لگا ہوتا۔ہزاروں الفاظ کو سرخ رنگ سے نہ لکھا گیا ہوتا۔

"ہمارے ہاں رواج ہے ناں۔"اب وہ چائے کا کپ پکڑ رہی تھی۔

"رسم پوری کر رہی ہو۔"مومنہ مسکرا رہی تھی۔

"رواجوں سے بغاوت نہیں کرنی چاہیے۔"چائے کا گھونٹ بھرا تو ذائقہ منہ میں گھلتا چلا گیا۔

"نومبر کی سرد ہوا اور گرم چائے کا combination بھی لاجواب ہے۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے ایک گھونٹ اور بھرا تو دل و دماغ تک تازگی پھیلتی چلی گئی۔

"مجھے لگا دل اور درد کا combination سب سے بہترین ہے۔"

وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔اب کھلی کھڑکی سے آتی ہوا مومنہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔ مگر اس کے بال اڑانے میں مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔کیونکہ اس کے لمبے بال چوٹی میں گندھے ہوئے تھے۔دوپٹہ اس کے پاس سرے سے نہیں تھا۔ٹخنوں تک آتی قمیض کے نیچے کھلے کھلے پائنچوں والی شلوار پہن رکھی تھی۔ قمیض ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"دل کی موت پر مسکرانے کا مطلب زندگی بھر کا جرمانہ ہے، جسے ادا نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے میز کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کسی کی خاطر اپنی آنکھوں کی روشنی کم کرنا مطلب زندگی بھر کا خسارہ ہے۔جسے پورا نہیں کیا جا سکتا۔"

www.novelsclubb.com

وہ بھی بگڑ کر بولی۔

"کسی کی خاطر نہیں اپنی خاطر اور اب کہاں آنسو رہے بہانے کے لیے۔اب رونا بھی چاہوں تو آنکھیں خشک ہی رہتی ہیں۔"اس کے لہجے میں دل کو چیر کر رکھ دینے والا درد تھا۔

مومنہ سے اس کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔دل کو کچھ ہوا جاتا تھا۔جب اس کی طرف دیکھتی تو کانوں سے سیک نکلنے لگتا تھا۔نومبر کی ٹھنڈی ہوا بھی دہکتے رخساروں پر مرہم کا کام کرنے میں ناکام رہتی تھی۔

"اپنی خاطر خوش ہوا جاتا ہے۔رویا نہیں جاتا۔مسکرایا جاتا ہے۔زندگی میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔اگر ان کا رونا لے کر بیٹھے رہیں گے تو بہت پیچھے رہ جائیں گے۔اور پیچھے رہ جانے والوں کو لوگ کچل دیا کرتے ہیں۔زندگی کی دوڑ میں حصہ لینا پڑتا ہے۔نا بھی چاہو تو بھی دوڑنا پڑتا ہے۔"

مومنہ کود کے کھڑکی کی چوکھٹ پر بیٹھ گئی۔باہر کا نظارہ جتنا خوبصورت تھا دل کا منظر اس سے دگنا بدصورت ہوا جاتا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اگر پاؤں شل ہو جائیں اور چلنے تک کی سکت بھی باقی نہ رہے پھر، پھر کیا۔"

اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔اور کپ کو بدمزگی سے دیکھا۔چائے کے کپ کو کبھی خالی نہیں ہونا چاہیے۔وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"پڑھ دی فاتحہ۔دفنا دیا سب۔جو چھوٹ گیا سو چھوٹ گیا۔لے لیا دوڑ میں حصہ۔میں اپنی ذات کو تماشہ بنا کر چہ میگوئیوں کے لیے چوک پر لٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی۔مجھے معلوم ہے اگر کوئی میرے لیے اہم ہے تو وہ میں خود ہوں۔اگر سب ختم ہو جائے تو میں پھر بھی جی سکتی ہوں۔کیونکہ زندگی باقی ہے جینے کے لیے۔اور جب آپ کے پاس زندگی باقی ہو نا پھر بہت کچھ کھو سکتا مگر سب کچھ نہیں کھو سکتا۔کیونکہ دنیا میں سب کچھ صرف زندگی ہے۔جب زندگی ختم ہو جائے تو سمجھ لیں اب سب ختم۔اس لیے جب تک زندگی باقی ہے۔سب باقی ہے۔کسی کے چھوڑ جانے سے کوئی مر نہیں جاتا۔کسی کے مرنے سے کوئی واپس نہیں آجاتا۔ماتم کرنے سے جانے والے کا غم کم نہیں ہو جاتا۔ہمیں جینا پڑتا ہے۔ہر حال میں،ہر کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔کیونکہ زندگی باقی ہوتی ہے۔" وہ اب پہلے جیسی نہیں لگ رہی تھی۔وہ مسکرا رہی تھی۔اس کے تاثرات میں واضح فرق آرہا تھا۔جو پہلے تھے وہ اب سے بالکل مختلف تھے۔

وہ بولی تو بولتی چلی گئی۔کمرے کے در و دیوار خاموشی سے اس کو سنتے رہے۔دیوار پر لگی پینٹنگ لفظ،لفظ اپنے ذہن پر از بر کرتی چلی گئی۔سرسراتی ہوا نے اس کے لفظوں کا فسوں ہر اور پھیلا دیا

۔مومنہ کھڑکی میں بیٹھی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔وہ اس کی باتوں سے مطمئن ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔

"لیکن۔"مومنہ کھڑکی سے اتری ہاتھ صاف کیے اور جتاتی نظروں سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ٹانگ پر ٹانگ جمائے۔وہ جانتی تھی اس سب کے بعد ایک لیکن بھی ہو گا۔

"لیکن یہ کہ میں اپنا سب کچھ اسے مان بیٹھی تھی۔لیکن یہ کہ میں اسے زندگی سمجھ بیٹھی تھی۔ لیکن یہ کہ اس پر میری دنیا ختم تھی۔لیکن یہ کہ کسی کو دل دے کر بھلا دینا کوئی گڈے، گڈی کا کھیل نہیں ہے۔"اس دفعہ اس کے تاثرات سے غم کی لہریں نہیں جھلکی تھیں۔وہ اب بالکل نارمل انسان کی طرح بات کر رہی تھی۔جیسے بہت عام سی معمول کی باتیں کر رہی ہو۔مومنہ ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے سر کو ہاں میں جنبش دے رہی تھی۔جیسے وہ مکمل طور پر اس کی بات سے اتفاق کر رہی ہو۔

"مگر"۔آہ،وہ کتنا جانتی تھی اپنی بہن کو۔اسے سو فیصد یقین تھا اب لیکن کے بعد مگر لازمی آئے گا۔

"دلچسپ" دعا اتنا کہہ کر مسکرادی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ اس کے رونے سے زیادہ بری تھی۔ اوں ہوں درد والے مسکرائیں تو دیکھ کے کلیجہ دل کو آتا ہے۔

"مگر یہ کہ میں بیٹھ کر گھنٹوں رو نہیں سکتی۔ کسی کے دھوکے میں گھنٹوں کمرے کی روشنی بند کر کے اندھیرے میں ہجر کے آنسو اور وصال کے لمحوں پر ماتم کناں نہیں ہو سکتی۔ ہر چلتے بندے سے اپنی داستان بربادی نہیں کہہ سکتی۔ اپنی ذات کو ہر دوسرے انسان کے لیے لیلہ مجنوں کی کہانی بنا کر پیش نہیں کر سکتی۔ اگر کسی کو محبت کا غم لگ جائے نا پھر قبر تک ساتھ جاتا ہے۔ کمبخت باوفا بہت ہے۔ ہاتھ پیر جوڑ کر بھی کہو ناں۔ کہ چھوڑ دو میرا پیچھا جاؤ۔ چلے جاؤ خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔ تب بھی نہیں جاتا ہے۔ مگر یہ کہ یہ سب میرے اندر رہے گا۔ یہ دل کی جنگ ہے۔ اندورنی جنگ سو یہ اندر رہے گی۔ اندورنی ہلچل کی وجہ سے میں باہر کی زندگی کو متاثر نہیں ہونے دوں گی۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ آج معمول سے زیادہ بول رہی تھی۔ شاید درد بھی تو معمول سے زیادہ ملا تھا۔

"امید ہے ایسا ہی ہو۔" مومنہ کرسی سے اٹھی اور بیڈ کی چادر کو سنوارنے لگی۔

www.novelsclubb.com

دعا اٹھ کر قد آور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ایک سفید رنگ کی ڈبی پکڑی اور ذرا سا سفید مائع ہتھیلی پر انڈیلا۔دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں۔اب وہ ان ہتھیلیوں پر لگے مائع کو منہ پر لگا رہی تھی۔مومنہ کنکھیوں اسے دیکھ رہی تھی۔اب وہ چہرے پر ایک اور پرت چڑھا رہی تھی۔ وہ مختلف اشیاء منہ پر لگانے کے بعد گالوں پر لالی لگا رہی تھی۔سب سے آخر میں اس نے سرخ رنگ کی پلسٹک اٹھائی۔اب وہ ہونٹوں پر آرام سے لپسٹک لگا رہی تھی۔لپسٹک لگانے کے بعد ہونٹوں کو ذرا سا آپس میں مس کیا۔پرفیکٹ چہرے پر ایک مصنوعی سی مسکراہٹ در آئی۔لیکن کچھ تھا۔جو وہ بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی آئینے میں دیکھ رہی تھی۔اسی کچھ کو مومنہ نے بھی نوٹ کیا تھا۔کیونکہ آج سے پہلے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔اس کا سارا دھیان صرف چہرے پر ہوتا تھا۔اوپر نیچے پورے شیشے پر نہیں۔

"بتاؤ ذرا کیسی لگ رہی ہوں۔"

وہ اب بالکل پہلے جیسی دعا بن چکی تھی۔جو چند لمحوں پہلے والی دعا سے بالکل مختلف تھی۔دونوں میں زمیں آسماں جتنا فرق تھا۔وقت اور درد کتنی عجیب چیزیں ہیں۔ایک انسان میں مزید کتنے

www.novelsclubb.com

اور انسان بسا دیتے ہیں۔ جہاں ہر ایک کی سانس تنگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کب کس انسان کو سانس کی ضرورت ہے۔ کون سا روپ گھٹ رہا ہے۔ آہ، وقت بھی عجیب شے ہے۔ وہاں لے جا کر مارتا ہے جہاں پانی بھی میسر نہ ہو۔

"بہت سہ در لیکن اگر بالوں میں کنگھی ہو جائے تو مزید چار چاند لگ جائیں گے اس سندرتا میں۔

"مومنہ نے اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کی۔

وہ پوری کی پوری آئینے کی طرف گھوم گئی۔ بالوں ہر تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ زندگی میں یہ پہلی بار تھا۔ جب وہ بالوں میں برش کرنا بھول گئی تھی۔ پھر وہ واپس مومنہ کی طرف پلٹی۔ بالوں کو ہاتھ لگایا۔ مومنہ ہنسی روکے ہوئے تھی۔ دعا زور زور سے ہنسنے لگی۔ مومنہ کی رکی ہنسی خوب زور سے باہر آ گئی۔ اب وہ دونوں زور زور سے ہنس رہی تھی۔ کمرہ ہنسی کی آواز سے گونجتا چلا گیا۔ نومبر کی ہوا کا پھیلایا فسوں ہنسی کی آواز سے چکنا چور ہو گیا۔ ہوا کا جھونکا زور سے آیا اور کئی زرد پتے کمرے کے فرش پر اور دعا کے بالوں پر گر گئے۔

وہ ہنستی رہیں، پتے اندر آتے رہے۔

www.novelsclubb.com

نومبر کی ہوا چلتی رہی،

زرد پتے درختوں سے جدا ہوتے رہے۔

••••••••••••••••••

گیلانی ہاؤس میں آؤ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو جاؤ۔اندر داخل ہوتے ہی سامنے دو وجود صوفوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ان کے سامنے میز پر دو خالی کپ اس بات کی نشاندھی کرتے ہیں۔ کہ وہ ابھی ابھی چائے ختم کر کے بیٹھے ہیں۔ایک زرد رنگ کے صوفے پر اماں اور دوسرے پر کنزہ گیلانی براجمان ہے۔ان کے چہرے کسی پریشانی کی داستان سناتے ہیں۔ایک چہرے پر ایسے تاثرات ہیں۔جیسے کسی ماننے والے کے چہرے پر ہوتے ہیں۔دوسرے کے منہ پر بیزاری ہے۔ اکتاہٹ ہے۔جیسے وہ اس بات پر پچھلے کئی گھنٹوں سے بحث کر رہی ہو۔مگر نا وہ خود ماننا چاہتی ہے ۔اور نہ ہی اگلا بندہ ماننے کے لیے راضی ہے۔

"اماں میں نہیں کروں گی شادی۔نہ آج نہ کل اور نہ ہی پھر کبھی۔مطلب کبھی بھی نہیں۔"
کنزہ گیلانی رندی ہوئی آواز میں اپنی ماں سے گویا تھی۔

"دیکھو بیٹا ایسے زندگی نہیں گزرتی۔ہمارا کیا ہے آج ہیں کل نہیں۔"

ماں نے کہا تو کنزہ کے رونگٹے تک کھڑے ہو گئے۔ماؤں کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ماں کے بغیر زندگی بہت کچھ لگتی ہے مگر سب کچھ نہیں لگتی۔موت کو بہت کچھ لینے کا اختیار ہونا چاہیے۔سب کچھ لینے کا حق موت کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔

"بخدا ایسی باتیں مت کیا کریں۔پلیز۔"کنزہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں کہ کب موت سے گلے جا ملے۔روح بدن سے رشتہ توڑ کر آسمان کی اور پرواز کر جائے اور جسم مٹی میں مل کر مٹی بن جائے۔"

ماں بات امبر کی طرح کرتی تھی۔اگلا بندہ یا تو impress ہو گا ورنہ depressed تو لازمی ہو گا۔یہ impress اور depressed والی ٹرک ہمیشہ کام کرتی ہے۔جو کام امپریس کر کے نہیں کروایا جا سکتا وہ ڈپریس میتھڈیوز کر کے کروایا جا سکتا ہے۔

"مجھ سے نہیں ہو گا اماں۔دل نہیں مانتا۔میں۔۔۔۔میرا بھروسہ اٹھ گیا شادی سے۔ایک تجربہ کافی ہے اماں۔میں ساری عمر شادی کے تجربات نہیں کر سکتی اماں۔ایک عورت کے لیے جتنا کسی مرد کا اس کی زندگی سے چلے جانا اذیت ناک ہوتا ہے۔اس سے کہیں زیادہ مشکل کسی نئے مرد کو اپنانا ہوتا ہے۔اماں آپ کو نہیں پتہ یہ کتنی اذیت دیتا ہے۔"

(کنزہ گیلانی کی پہلے شادی ہو چکی تھی۔دو سال تک شادی قائم بھی رہی تھی۔مگر شادی خوشحال نہ رہ سکی۔شروع،شروع میں سب کچھ بہت ٹھیک تھا۔زندگی اور شادی دونوں اپنے ڈگر پر بہت ہی خوش اسلوبی سے چل رہی تھیں۔ہر شے بالکل پر سکون تھی۔ہر رشتہ چاشنی کی طرح میٹھا تھا۔پھر زندگی نے پانسہ پلٹا۔اور ہر شے الٹ کر رہ گئی۔ایک اچھی شادی جتنی خوشی دیتی ہے۔ایک ٹوکسک شادی اس سے کہیں زیادہ اذیت دیتی ہے۔اور صرف اذیت ہی تو دیتی ہے۔اس کی شادی بھی ویسی ہی تھی۔پہلے اچھی تھی۔پھر ایک لمحوں کا کھیل تھا۔اور شادی میں زہر گھلنا شروع ہو گیا۔وہ جو کل تک جان جہاں لگتا تھا۔اس سے پھر خوف جہاں آنے لگا۔حالات پیچیدہ ہوئے تو الگ ہو گئے۔مگر یہ سب بہت آسان اور سادہ نہیں تھا۔ہو ہی نہیں سکتا تھا۔)

www.novelsclubb.com

اس کی آواز گیلی تھی۔آنکھوں سے کہیں زیادہ گلے میں آنسو پھنسے ہوئے تھے۔

"ہر مرد ایک جیسا نہیں ہوتا۔دنیا اگر برے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔تو یہاں اچھے لوگوں کی بھی بہتات ہے۔پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں بیٹا۔ہر کوئی برا نہیں ہوتا۔کچھ اچھے لوگ آج بھی باقی ہیں۔جن کی وجہ سے یہ دنیا باقی ہے۔برائی چاہے کتنی بھی بڑھ جائے۔مگر اتنی کبھی نہیں پھیل سکتی کہ اچھائی کا خاتمہ کر دے۔اس لیے یقین رکھو۔یقین کا ختم ہو جانا بڑا خسارہ ہے ۔ایسے خسارے ہر منافع کو ختم کر دیتے ہیں۔"

(اس سے پہلے کنزہ ایک traumatic age سے گزر چکی تھی۔ٹوکسک شادی کئی بار زندگی کو تین سو ساٹھ کی ڈگری پر پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔اس کی اذیت ہر کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔)

اماں اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔وہ بولتی تھی تو پتہ لگتا تھا کہ امبر گیلانی کس کی بیٹی ہے۔کنزہ کے منہ پر وہی بیزاری چھائی رہی۔

"اماں ہم کہاں ڈھونڈیں گے اچھے لوگ۔کچھ اچھے لوگ ہم کہاں ڈھونڈیں گے۔پہلے ڈھونڈے تھے نا۔ملے کیا۔ویسے بھی یہاں یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ مجھ میں یہ برائی ہے۔میں

www.novelsclubb.com

اس خامی کا محتاج ہوں۔ یہ میرے اندر صدیوں سے ہے۔اور آئیندہ بھی رہے گی۔ بلکہ کہتے ہیں ہمارے یہ، یہ اچھائیاں ہیں۔ ہم فلاں، فلاں خوبیوں کے مالک ہیں۔ ہم یہ ہیں۔ ہم وہ ہیں۔اماں یہاں اپنی برائی کوئی نہیں کرتا۔ ہر کسی نے بیسوں خول چڑھائے ہوئے ہیں۔ جب ساتھ رہو تو پتہ لگتا ہے کہ جسے پہلی بار دیکھا تھا وہ تو بس ایک چھلاوا تھا۔ جس سے دوسری بار بات کی وہ تو کوئی وہم سا تھا۔ جسے تیسری بار ملاقات کی وہ تو کوئی بھرم تھا۔ایک انسان کے اندر ہزاروں انسان پوشیدہ ہیں۔ جب ساتھ رہو تو پتہ لگتا ہے کہ جس کا ہم نے ایک رخ دیکھا تھا اس پر تو کئی پرتیں ہیں۔انسان پرت در پرت کھلتا ہے اماں۔ لوگ بس اپنی اچھائیاں گنواتے ہیں کیونکہ ان میں برائیاں اس قدر ہوتی ہیں کہ وہ گنوائی نہیں جا سکتیں۔"

اس کا سانس پھول چکا تھا۔ گلے میں آنسو کا پھندا تھا۔ مگر پھر بھی ترنہ ہوتا تھا۔اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ دنیا میں کتنی اذیتیں تھیں۔ کتنے غم تھے۔ وہ کیسے خود کو اسی دریا میں پھینک دے۔ جس میں وہ پہلے ڈوب چکی تھی۔ وہ کیسے اس آگ میں کود جائے۔ جس میں پہلے جل چکی تھی۔ وہ کیسے بتاتی جب کوئی اسے شادی کا کہتا تھا۔اس کا سانس اکھڑنے لگتا تھا۔ایسے لگتا تھا جیسے سینے کو کسی نے برچھیوں سے چھلنی کر دیا ہو۔اسے شادی نام سے گھٹن ہونے لگتی تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ کسی کو کیا بتاتی جو وہ دیکھ آئی تھی۔وہ جہنم کی آخری سٹیج سے زیادہ برا تھا۔اس کو اذیت کے سوا ملا ہی کیا تھا اس رشتے سے۔ایک آنسو آنکھ کے کنارے سے لڑھک کر ٹھوڑی سے نیچے گر گیا۔ اماں اسے ایسے ہی تکتی رہیں۔اماں کی آنکھوں میں نمی تھی۔لیکن وہ کچھ بھی ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔بیٹیوں کا گھر اجڑ جانا ماں کے دل کو اجاڑ دیتا ہے۔

"لیکن بیٹا ایسے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔بیسوں لوگوں نے دوبارہ شادی ہے۔یہ خواہش نہیں ضرورت ہے۔وقت کی ضرورت سب سے بڑھ کر ایک عورت کی ضرورت۔ایک عورت کو محافظ چاہیے بیٹا۔"اماں ضد پر اڑی رہیں۔اماں ہر ماں کی طرح اپنی بیٹی کا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔اس کے لیے اگر انھیں زبردستی بھی کرنی پڑی تو وہ کریں گی۔"کیوں اماں ۔۔۔۔ہم ہمیشہ شادی محافظ کے نام پر کیوں کرتے ہیں۔"وہ تنگ آچکی تھی۔محافظ، محافظ کی اس رٹ سے اسے اب اور محافظ کا لفظ نہیں سننا تھا۔دیواروں پر لگی پینٹنگز انھیں خاموشی کی چادر اوڑھے چپ چاپ سنتی رہیں۔"کیونکہ یہ معاشرہ عورت کے لیے کتا ہے بیٹا۔وہ پاگل کتا جو بنا سوچے سمجھے کاٹ لیتا ہے۔تم نے دنیا نہیں دیکھی میں نے معاشرے کے ان کتوں کو دیکھا

ہے۔جو مرد کے نام پر عورت کو پاگل کتے کی طرح چیر پھاڑ دیتے ہیں اور منہ بھی صاف نہیں کرتے۔ہر آدمی، مرد نہیں ہوتا۔اس لیے محافظ ضروری ہے۔"

)کسی شخص کے پرانے ٹراما کے دوبارہ سر اٹھانے یا لوٹ آنے کو triggering کہتے ہیں۔یہ ایک عام نفسیاتی رد عمل ہے۔ایسے ٹراماز علاج اور تھیراپی کے بعد بھی لوٹ آتے ہیں۔)

اماں کے چہرے پر اب تناؤ تھا۔بھونیں غصے سے بھچیں ہوئیں تھیں۔کنزہ ماں کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ پہلے جس کو محافظ بنایا تھا۔اس نے کیا نہیں کیا۔وہ کہنا چاہتی تھی اسے اب ان محافظوں سے بھی ڈر لگنے لگا تھا۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ محافظ باہر کے کتوں سے تو بچا لیتے ہیں۔لیکن اکثر یہ گھر کے اندر ہمیں مار دیتے ہیں۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ یہاں جیسے ہر مرد، مرد نہیں ہوتا۔ویسے ہر محافظ بھی محافظ نہیں ہوتا۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے مردوں سے نہیں محافظوں سے ڈر لگتا تھا۔کیونکہ اس نے جو چوٹ کھائی تھی۔جو زخم اس کے سینے پر لگے تھے۔وہ اس کے نام نہاد محافظ نے دیئے تھے۔

www.novelsclubb.com

(انسان جس رشتے میں یا جس شخص سے چوٹ کھاتا ہے۔ پھر ہر اس شخص کے بارے میں لاشعوری اور شعوری طور پر ایک بری رائے بنالیتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ پہلے رشتے کی طرح ہر وہ آدمی جو اسی رشتے میں اس سے تعلق استوار کرے۔ وہ بالکل ایسا ہو گا۔ جیسا پہلے تھا۔ برے تعلقات اکثر اوقات انسان کو اندر سے بہت بری طرح ڈیمج کرتے ہیں۔)

وہ زخم کسی پاگل کتے نے نہیں دیئے تھے۔ گلی کے کسی رال ٹپکاتے آوارہ کتے نے نہیں دیے تھے۔ مگر وہ اماں کو دیکھتی رہی۔ وہ کچھ نہ پوچھ سکی۔ اماں ایک طرف چہرہ کیے کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ باہر سے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں اندر تک آ رہی تھیں۔ "اماں ایک بات پوچھوں۔" اس نے ہاتھوں سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔ اماں نے سر ہاں میں ہلایا۔ "اماں بندہ پاگل کتوں سے ڈر کر، بھاگ کر، بچ کر محافظ کے پاس جاتا ہے۔ لیکن اگر محافظ سے خطرہ ہو ،اسی سے خوف آتا ہو۔ دل سینے میں گیند کی طرح اچھل اچھل جاتا ہو۔ پھر اماں۔ پھر کس کے پاس جائے عورت۔ ہمارے معاشرے نے ہر لڑکی کی محافظ کے نام پر شادی تو کر دی۔ گلی، محلے اور شہر کی سڑکوں پر پھرتے ان پاگل کتوں سے بچنے کے لیے ایک محافظ کا حصار بھی تھما دیا۔ لیکن کبھی یہ نہیں بتایا کہ جب وہ حصار آپ کا گلہ گھونٹنے لگے۔ پھر کیا کرنا ہے۔ پھر کس کے

www.novelsclubb.com

پاس جانا ہے۔ پھر کس سے جا کر کہنا ہے۔ کہ ہماری حفاظت کرو۔ ہمیں بچالو۔ یہ تو کبھی ہمیں بتایا ہی نہیں گیا۔ اس بارے میں تو کبھی کسی نے سوچا ہی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں اب اداسی نہیں تھی۔ اس کے لہجے میں طیش تھا۔ آنکھوں میں چنگاریاں تھیں۔ سینے پہ لگے زخم جب ہرے ہونے لگیں ناں پھر آنکھوں میں پانی نہیں خون آنے لگتا ہے۔ پھر گلے میں آنسوں کا پھندا نہیں۔ گردن کی نسیں ابھرنے لگتی ہیں۔ ماتھے پر پسینے نہیں بل پڑنے لگتے ہیں۔

"تم نے شاید غور نہیں کیا لیکن یہ بات بتائی جاتی ہے۔ بالکل بتائی جاتی ہے۔ حتٰی کہ ہر لڑکی پر ان انکشافات کا ظہور خوب کیا جاتا ہے۔ لڑکی کو بتاتے ہیں کہ اگر تمہیں سسرال میں کسی بھی قسم کا کوئی بھی مسلہ ہو تو بلا جھجک ہمیں بتانا۔ ڈرنا مت۔ ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ آواز امبر گیلانی کی تھی جو ایک پلر کے پیچھے سے نکل کر آرہی تھی۔ یعنی وہ دو نہیں تھیں۔ یہ تیسری بھی یہاں موجود تھی۔ چھپ کر باتیں سن رہی تھی۔ اس کا لہجہ ہر جزبے سے لق ودق تھا۔ چہرہ ہر تاثر سے پاک تھا۔ جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے کچھ بھی نہیں سنا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو ابھی تک رونے لگ جاتا۔ لیکن وہ بہادر تھی۔ وہ نہیں روتی تھی۔

www.novelsclubb.com

روتے کمزور لوگ ہیں اور وہ کمزور نہیں تھی۔اسے اپنے بارے میں جو چیز سب سے زیادہ پتہ تھی وہ یہی تھی کہ وہ بہادر ہے۔وہ کسی سے نہیں ڈرتی۔کسی سے بھی نہیں۔

اماں اور امبر نے نظریں اس کی اور دوڑائیں۔اماں نے تاسف سے سر جھٹکا۔وہ ہمیشہ اماں اور کنزہ کی باتیں ایسے ہی سنتی تھی۔کنزہ کو افسوس ہوا۔وہ ہمیشہ شرمندہ ہوتی تھی۔اسے ہمیشہ امبر پر فخر ہوتا تھا۔امبر کتنی بہادر تھی۔وہ اس کی طرح بات، بات پر روتی نہیں تھی۔لیکن پھر وہ خود کو یہ کہہ کر حوصلہ دیتی کہ جو اس نے جھیلا ہے وہ امبر نے نہیں دیکھا۔اس کا غم مختلف ہے۔

"کون۔۔۔۔۔کون بتاتا ہے؟۔۔۔۔۔مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔۔۔"کنزہ رک رک کر بول رہی تھی۔اگر بتاتے ہیں تو اسے کسی نے کیوں نہیں بتایا۔اسے بھی بتانا چاہیے تھے ناں۔

چلتی ہوئی آئی اور آکر سیٹر صوفے پر بیٹھ گئی۔اب ایک صوفے پر اماں تھی اور ایک پر کنزہ تھی۔ان کے سامنے میز تھا۔اور میز کے سامنے پڑے سیٹر صوفے پر وہ بیٹھ گئی۔ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ سفید رنگ میں تھی۔سفید کھلی قمیض اور کھلی پینٹ پہنے۔ڈوپٹہ گلے میں گول کیے۔بال

www.novelsclubb.com

کیچر میں لپیٹے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔جب کے اس کے برعکس کنزہ اور ماں نے کئی رنگوں کی حامل سادہ قمیض شلوار پہن رکھی تھی۔

"باپ۔۔"آرام سے صوفے پر بیٹھ گئی تو منہ سے بس ایک لفظ نکالا۔وہ لفظ بس لفظ نہیں تھا۔ بلکہ صور تھا۔جو کسی نے اس کی ماں کے کانوں میں پھونک دیا تھا۔کنزہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کو معدوم ہوئی تھی۔ان دونوں کے برعکس وہ پر سکون تھی۔

.....

www.novelsclubb.com

نومبر کی اب دوپہر نہیں لگتی تھی بلکہ اگست کی صبح لگتی تھی۔ٹھنڈی ہوا جہاں روح کو تازگی بخشتی تھی۔وہیں سرد ہوا جسم کے خلیوں میں داخل ہو کر کھال کے رونگٹے کھڑے کر دیتی تھی ۔درختوں پر لگے پتے زرد ہو کر گرتے جاتے تھے۔درخت یوں ہی کھڑے بنا شکوہ کیے انھیں یاسیت سے جاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔پتے جب گرتے تو اتنی دور گرتے کی جس درخت

نے انھیں جگہ دی۔ خوراک دی۔ ان کی نشوونما کی اس کے سائے تک سے نکل جاتے تھے۔ یہ جابجا گرتے ہوئے پتے ہوا سے شکوہِ خزاں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہوا کہاں کسی کی سنتی ہے۔ اپنی دھن میں مگن رہتی ہے۔ ان گرتے پتوں، چلتی ہوا اور آنکھ مچولی کھیلتے سورج کے درمیان کئی راز ہیں۔ نومبر کے پاس بھی ہوا مزید سرد کرنے کے کئی جواز ہیں۔ موسم کے اس سحر سے نکلو تو اس دوڑتی سڑک کنارے دیکھو دو نفوس چلتے جا رہے ہیں۔ آہستہ، آہستہ آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک نے سیاہ رنگ کی ہڈی پہن رکھی ہے اور دوسرا بلیو پینٹ کے اوپر بلیو شرٹ پہنے ہوئے ہے۔ بہتی سڑک اپنے ساتھ ان گنت ٹریکٹر، گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں تیز رفتاری سے بہا رہی ہے۔

ذرا سی دوڑ لگاؤ اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے دبے پاؤں اگر ان پیچھے چلو تو تم دیکھو گے کہ بلیک ہڈی والا شخص چہرے پر اداسیوں کے پہاڑ اٹھائے چل رہا ہے۔ ان پہاڑوں کا بوجھ اس کے پاؤں کبھی کبھی لڑکھڑانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ برابر میں چلتا ہوا شخص جو قد میں ہڈی والے سے قدرے چھوٹا اس وزن کو مزید بڑھائے دیتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی بحث چل رہی ہے۔ ہڈی والا شخص بار بار سر کو نفی میں جنبش دیتا ہے۔ برابر چلتا ہوا شخص اسے کسی بات کے

لیے منانا چاہتا ہے۔اگر دو قدم مزید ان کے قریب رکھیں۔تو ان کی آوازیں ہمیں صاف سنائی دیں گی۔

"میں نے تم سے کہا تھا۔لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی۔میں جانتا تھا یہ کام تم جیسے بر گر کے بس کا نہیں ہے۔مگر تم کو تو بھائی تیس مار خان بننا تھا۔بھگتو اب جو کیا ہے اسے جھیلنا تو پڑے گا۔

"ہڈی والے کے ساتھ چلتا ہوا شخص اسے لتاڑ رہا تھا۔اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔وقفے وقفے سے کوئی بائیک آتی اور زن کرتی ہوئی ان کے قریب سے گزر جاتی۔ہڈی والا شخص بیزاریت سے بائیک ڈرائیور کی طرف دیکھتا اور سر جھٹک دیتا۔

"اب تمہاری بولتی بند ہو گئی ہے۔او بھائی مجھے کال پہ کال کر کے اس لیے بلایا ہے کہ میں بس بھونکتا رہوں اور تم بت بنے سنتے رہو۔"طلال کا چہرہ کچھ غصے اور کچھ جھنجھلاہٹ کی وجہ سے سرخ ہوا جاتا تھا۔

"جو تم کر رہے ہو یہ حجت طائل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے"ہڈی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ شخص اس سارے وقت میں پہلی بار گویا ہوا تھا۔اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔

www.novelsclubb.com

حمزہ سلطان کسی کشمکش کا شکار لگتا تھا۔وہ فیصلے لینے کے بعد پچھتاوے نہیں کرتا تھا۔جو ہو گیا سو گیا کا حامل وہ شخص آج سے پہلے کبھی اپنے فیصلوں پر عملدرآمد کرنے کے بعد دوبارہ نہیں سوچا کرتا تھا۔وہ آج سے پہلے مختلف شخص تھا۔جو آج ہے وہ پہلے والے سے مختلف ہے۔

"جو میں کر رہا ہوں اسے حجت محکم کہتے ہیں۔"اب وہ دونوں سڑک پار کر رہے تھے۔حمزہ قدرے آگے اور طلال اس کے پیچھے تھا۔چند لمحے قبل جو بائیک دور تھی۔اب وہ بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو ایک پل میں صدیوں کی مسافت پہ لگتی ہیں۔وہیں دوسرے پل آپ کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہیں۔

"جو بھی ہے۔مجھے تمہاری باتیں سمجھ نہیں آرہیں۔جو تم کہہ رہے ہو وہ میں کبھی نہیں کروں گا ۔دیٹس فل اینڈ فائینل۔"اس کے چہرے پر صدیوں کی تھکان تھی۔لگتا تھا وہ خود سے بھاگ رہا ہے۔یا پھر کوئی اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔بہر حال جو بھی تھا وہ اب بالکل تھک چکا تھا۔اس میں اب دوڑنے کی تو دور چلنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی۔جو سوچا تھا زندگی اس سے بالکل الٹے ڈگر پر چل رہی تھی۔زندگی کی ترتیب بالکل ان پسماندہ سڑکوں کی طرح ہو کر رہ گئی تھی۔

جن پر ہر کوئی دائیں سے آتا تھا۔ تو کوئی بائیں سے جاتا تھا۔ ایک دوسرے کے پیرالل۔ بالکل الٹ۔

"دیکھو تمہیں اس سے کہہ دینا چاہیے یار۔ وہ تمہیں معاف کر دے گی۔ ایک بار کوشش تو کرو۔ کہہ دو کہ تم نے جو کچھ بھی کہا وہ، وہ بس ایک مزاق تھا۔ ہاں یہ صحیح رہے گا۔ پرفیکٹ ہے یہ۔" اس نے اپنے تئیں بہت اعلی مشورہ دیا تھا۔ حمزہ نے گردن موڑ کر باقاعدہ اسے داد دینے والے انداز میں دیکھا تھا۔ بس تالیاں پیٹنا باقی رہ گیا تھا۔

"سب سے پہلے تو ایسے واحیات مشورے کے لیے شکریہ احمق۔ دوسری بات تم نہیں جانتے اگر ایسے کہوں گا۔ تو سیدھا میرے منہ پر تھوکے گی۔" اس کا انداز ہو نہ ہو والا تھا۔ طلال نے منہ چڑھایا۔ یہ بندہ بھی بڑا عجیب تھا۔ ایک اسے ساتھ گھسیٹے جاتا تھا۔ دوسرا اس کی سروسز کی insult بھی کیے جاتا تھا۔ اب وہ ڈھابے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ڈھابہ ان سے تقریباً پانچ منٹ کی دوری پر رہ گیا تھا۔ لوگ نومبر کی دوپہر میں جو کہ اب بس نام کی ہی ہوتی تھی۔ چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ "پہلے اپنی مرضی کر کے دیکھ چکے ہو۔ اس

www.novelsclubb.com

دفعہ ہماری بھی سن کے دیکھ لو۔" طلال ہزار بار کہی جانے والی بات دہرا رہا تھا۔ لیکن ساتھ چلتے شخص کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ اکڑو، بد تمیز قسم کا انسان معلوم ہوا تھا وہ۔ اب وہ دونوں کرسیاں کھینچتے ہوئے ایک میز کے گرد بیٹھ رہے تھے۔ ان سے ذرا سے فاصلے پر ایک شخص چائے بنا رہا تھا۔ وہ چائے کو اوپر تک لے کر جاتا تھا۔ یہاں تک ایک پتلی سی دھار بنتی چلی جاتی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا۔ وہ اپنے کام میں ماہر ہے۔ اچھی چائے بنانا ایک فن ہے جس کے لیے شوق اور ذوق دونوں کا ہونا لازمی ہے۔ ورنہ چائے بن تو جاتی ہے۔ مگر چائے نہیں بنتی۔"

حمزہ ہر شے سے بے نیاز بیٹھا تھا۔ چہرے پر حزن و ملال کا غلبہ تھا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ یہ سب مت کرو" حمزہ نے اس کی پہلی بات کو رد کر دیا تو وہ دوبارہ سے اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے بولا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ اسے کیسے تسلی دے۔ اس کے لیے کیا کرے۔ دوستوں کے لیے چاہ کر بھی کچھ نہ کر پانا بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اگر سکون دوست کا غارت ہو جائے تو چین آپ کو بھی نہیں آتا۔ ہم کسی کی لائف کنٹرول نہیں کر سکتے۔ نہ ہی کسی کے فیصلے کر سکتے ہیں۔ ہم جو کر سکتے ہیں وہ دوست کو اچھے اور مفید مشورے دینا اور مشکل میں دوستی نبھانا ہے۔ دوستی نبھائی ہی مشکلات میں جاتی ہے۔ اگر آپ مشکل میں اپنے دوست کو اکیلا

چھوڑ دیں تو وہ آپ سے کہے گا نہیں کہ آپ نے اس کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ لیکن وہ یہ بات سوچے گا ضرور۔ وہ کہے گا نہیں کہ آپ نے اسے اکیلا چھوڑ دیا لیکن وہ جب، جب آپ کو دیکھے گا ۔اسے آپ کے دوست ہونے پر افسوس ہو گا۔ دوستی پر افسوس نہیں کروانا چاہیے۔ اس کو نبھا کر دوستی کا حق اور اپنا فرض ادا کر دینا چاہیے۔ طلال اس کا حق اور اپنا فرض نبھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ وہ یہ سب باتیں اچھے سے جانتا تھا۔ لیکن وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

طلال نے اسے کچھ کہا تو اس کی دماغ پر پھیلے یادوں کے جال میں سے ایک یاد دودھ کی مانند ابلنے لگی اور پھر ہزار یادوں سے الگ ہو کر ذہن کے پردے پر چھا گئی۔

نومبر کی نام کی دوپہر، خنکتی ہوا۔ اکے دکے پرندے، میز کے قریب سے گزرتی سیاہ رنگ کی بلی ،دور پھٹے کے قریب بیٹھا اپنے رزق کی باٹ دیکھتا ہوا کتا، چائے بناتا ہوا آدمی، چائے پیتے ہوئے لوگ سب پر ایک خیال بھاری ہونے لگا۔ یہ سب مات کھاتے چلے گئے اور دل و دماغ پر یادیں بنتی چلی گئیں۔

www.novelsclubb.com

وہ بیڈ پر بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پر بیزاری تھی۔اعصاب تنے ہوئے تھے۔وہ تنے ہوئے جبڑے، بھنچی ہوئی بھنویں،غصے سے پھولی ہوئی ناک،اور بیڈ کی چادر کو ہاتھوں میں بھنیچے ہوئے تھا۔

وہ موبائل پر طلال کو کچھ بتا رہا تھا۔وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔اس کی کنڈیشن ایسی تھی جیسے پہلی چوٹ پر بچے کی ہوتی ہے۔بچہ رو کر چوٹ سہہ لیتا ہے۔لیکن وہ نہیں رو سکتا تھا۔طلال آگے سے موبائل پر کچھ کہہ رہا تھا۔لیکن وہ سب ردی کیے جا رہا تھا۔وہ اس کی دلیلوں کے جواب میں اپنے جواز پیش کر دیتا تھا۔وہ فون پر موجود شخص سے کہہ رہا تھا کہ اس نے پہلے کبھی ایسے سنگین حالات کا سامنا نہیں کیا۔یہ سب معاملات وہ نہیں سنبھال پائے گا۔وہ ایک کمزور مرد لگ رہا تھا۔ہار جانے والا۔ڈر سے،خوف سے،یا پھر مجبوراً پیچھے ہٹ جانے والا۔طلال نے اسے کچھ کہا تو اس نے اپنی کہہ کر کال کاٹ دی۔فون بیڈ پر اچھال دیا۔وہ دونوں ہاتھوں سے ماتھے پر بکھرے ہوئے بالوں کو اوپر کی طرف مروڑے ہوئے تھا۔یہ اس کی عادت تھی۔وہ جب بھی پریشان ہوتا اور کچھ کر نہ پاتا تو ایسے ہی دونوں ہاتھوں سے بالوں کو اوپر کی طرف کرتا تھا۔

www.novelsclubb.com

یہ دوسری دفعہ تھا جب وہ پھر سے گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔اسے دعا کی کال موصول ہوئی تھی۔وہ اس سے شکایت کر رہی تھی۔اس کے بدلنے کی۔وہ کہہ رہی تھی کہ وہ پہلے جیسا نہیں رہا۔وہ جو پہلے والا کہیں کھوتا جا رہا ہے۔وہ آگے سے جواب میں جھنجھلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔وہ شکایتوں کا پندار لیے بیٹھی تھی۔اس کے اپنے مسائل حل ہو کے نہیں دے رہے تھے۔وہ جو سب کے مسلے حل کرتا تھا۔آج خود ہی سٹک ہو کر رہ گیا تھا۔نہ آگے کوئی راستہ نظر آتا تھا۔نہ ہی پیچھے مڑنے کے لیے کوئی پگڈنڈی تھی۔

وہ پھر سے طلال کو کال کر رہا تھا۔وہ اپنی مشکلات اس کے ساتھ ہی بانٹتا تھا۔مشکلات کا بٹ جانا بھی ایک بڑی نعمت ہوتی ہے۔اگر یہ بانٹی نہ جائیں تو یہ انسان کو پورا کا پورا نگل جاتی ہیں۔لوگ کہتے ہیں خوشیوں کو باٹنا چاہیے۔خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں۔اگر خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں تو مشکلات خوشیوں کے بالکل parallel ہیں۔یہ باٹنے سے گھٹتی ہیں۔ان کا کم ہونا دل کو ہلکا کر دیتا ہے۔اگر دل ہلکا نہ ہو تو دماغ کی شریانیں تک پھٹنے لگتی ہیں۔کنپٹی کی نسیں پھڑ پھڑانے لگتی ہیں۔وہ طلال کی بات مانتا نہیں تھا۔لیکن وہ اپنی بات اس سے کہتا ضرور تھا۔وہ اسے کال مشوروں کے لیے نہیں کرتا تھا۔وہ اسے فون دل کو ہلکا کرنے کے لیے کرتا تھا۔آج دوسری بار

www.novelsclubb.com

تھا۔جب وہ پہلے سے زیادہ پریشان تھا۔جب وہ خود کو ان دیکھی زنجیروں میں جکڑا ہوا محسوس کر رہا تھا۔جن سے نہ تو آزادی مل پاتی تھی اور نہ ہی کوئی رہائی کی کرن نظر آتی تھی۔وہ بولتا رہا۔ طلال ہمیشہ کی طرح اسے اپنے مفید مشوروں سے مستفید کرتا رہا۔وہ ہر بار کی طرح رد کرتا رہا۔

وہ موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تھا۔کوئی اسے کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے چہرے کا طواف غصہ اور پریشانی بیک وقت کر رہے تھے۔اب وہ کچھ بول رہا تھا۔ اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔سیاہ آنکھوں میں خون کی ڈوریاں بن رہی تھی۔ماتھے پر ان گنت لکیروں کا جال بن رہا تھا۔پہلی لیکر شاک کی تھی۔دوسری لیکر غصے کی تھی۔تیسری لیکر پریشانی کی تھی۔چوتھی لکیر جھنجھلاہٹ کی تھی۔باقیوں کی وجوہات پھر کبھی سہی۔ابھی جو تھیں وہ بہت تھیں۔اس کی ماں اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آگئی تو اس نے کال کاٹ دی۔چہرے پر سکون کی مصنوعی لہر تھی۔جیسے ابھی وہ بالکل پُر سکون اور طمانیت سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

وہ طلال سے اسی ڈھابے پر مل رہا تھا۔وہ طلال کو سب بتا رہا تھا۔طلال کی آنکھیں مارے حیریت کے پھیلے جاتیں تھیں۔وہ کہہ رہا تھا طلال سن رہا تھا۔وہ بولتا جا رہا تھا۔طلال کچھ حیریت اور کچھ

www.novelsclubb.com

تعجب سے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے۔اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔جو انکشاف وہ طلال پر کر رہا تھا ۔اس کی توقع تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں کی تھی۔اس نے مسائل دیکھے تھے۔اس نے مسائل حل بھی کیے تھے۔اگر وہ مسائل کو حل نہیں کر سکتا تو پھر کوئی نہیں کر سکتا۔وہ کہتا تھا مسائل میرے رشتے دار لگتے ہیں۔یہ میری باتیں فوراً سے پہلے مان جاتے ہیں۔اس لیے میں انھیں چٹکیوں میں حل کر لیتا ہوں۔اس مسلے نے تو اس کی ہی چٹکی بجا کر رکھ دی تھی۔

بیرہ چائے کا آڈر لینے آیا تو وہ خیالات کے جال سے پھنس پھنسا کر باہر آیا۔اس نے ہلکی بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرا۔لمبی سی سانس لی۔طلال نے بیرے کو آڈر نوٹ کروایا۔"الائچی لازمی ڈالنا اور ہاں پکوڑوں میں کالی مرچ بھی لازمی ڈالنا۔اچھے سے مزیدار پکوڑے بنا کر لاؤ۔جلدی سے۔"بیرہ آڈر لے کر جانے لگا تو اس نے پیچھے سے آواز لگا کر کہا۔اسے چائے اور پکوڑوں کا کمبینشن بہت پسند تھا۔وہ بارش اور ٹھنڈ میں شوق سے پکوڑے اور چائے سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔طلال اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔پریشانیوں کا جو فسوں ماحول پر طاری تھا۔اس کا اثر زائل ہوتا رہا۔وہ ہمیشہ یہی کرتا تھا۔طلال ہمیشہ اس کی پسند کا آڈر دیتا تھا۔مگر وہ کبھی بھی طلال کی نہیں سنتا تھا۔وہ احتیاطاً دوبارہ سے کہہ دیتا تھا۔طلال کو شروع، شروع میں اس کی یہ عادت

www.novelsclubb.com

بہت بری لگتی تھی۔وہ اس سے خار کھاتا تھا۔لیکن وقت کے ساتھ،ساتھ اسے اس سب کی عادت ہو گئی تھی۔اب وہ حمزہ کو بہت اچھی طرح سے جاننے لگا تھا۔وہ اس کو اس کی عادتوں سے پہچاننے لگا تھا۔اب وہ حمزہ کے بولنے سے پہلے اس کی بات کو سمجھنے لگا تھا۔اسے حمزہ الجبرا کے پہلے کلیے کی طرح ازبر ہو گیا تھا۔سب سے بڑی بات جو وہ حمزہ کے بارے میں ہمیشہ کہتا تھا۔وہ تھی ڈھیٹ۔وہ اسے ڈھیٹ نہیں ماہا ڈھیٹ کہتا تھا۔کیونکہ حمزہ سنتا سب کی تھا۔لیکن کرتا بس اپنی تھا

۔

•••••

لاہور ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید پر کشش ہوتا جا رہا تھا۔لاہور کی بڑھتی ہوئی رونقوں میں ہر روز کسی نہ کسی چیز کا اضافہ ہوا جاتا تھا۔آبادی کا اضافہ ایک عرصہ ہو رہا تھا۔جو لاہور کے رقبے کو مزید وسیع کر کے اس کے حدود اربع سے باہر نکل کر دور،دور تک لاہور کو پھیلائے دیتا تھا۔پہلے لاہور،لاہور تھا۔اب لاہور ہی لاہور ہے۔لاہور کوئی انسان تھوڑی ہے جس کا قد ایک وقت کے بعد رک جائے۔جس کی ہڈیاں معینہ مدت کے بعد بڑھنا بند کر دیں گی۔جس کی

www.novelsclubb.com

گروتھ وقت کے حساب سے ہو گی۔ جس کو جہاں تک ہے وہیں تک رہنا پڑے گا۔لاہور پر ہزاروں پابندیاں عائد ہو سکتی ہیں۔ لیکن لاہور کی بڑھوتری پر آج تک کوئی پابندی نہیں لگا سکا۔ راوی بوڑھا، بزرگ ہو گیا۔ سوکھ گیا۔ مرکھپ گیا لیکن لاہور۔لاہور آج بھی جوان ہے۔ کیونکہ لاہور بڑھتا ہے۔لاہور کے رقبے میں آئے دن اضافہ ہوتا ہے۔ کبھی نیا سکول، کبھی نئی کوٹھی، نیا محل، نئے بنگلے، نئی سڑکیں، موٹرویز، ان گنت ٹاؤن، کوئی ماڈل ٹاؤن تو کوئی بحریہ ٹاؤن۔

شاہراہِ عام پر تیز رفتار گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔بے بہا رنگ کی مختلف نوعیت وڈیزائن کی حامل انواع اقسام کے ماڈلز کی جدید ترین گاڑیاں شوں، شوں کرتی گزر رہی تھیں۔ایک پرندہ اڑتا ہوا سڑک پر جھکی درخت کی ایک شاخ پر آکر بیٹھ گیا۔ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ اتنے میں قطار در قطار گاڑیاں زن کرتی ہوئی گزریں۔پرندہ مارے ڈر کے بنا پروں کو سہلائے اڑ گیا۔انھیں چار گاڑیوں میں سے جو آگے پیچھے جا رہی تھیں۔ایک سفید رنگ کی کار میں ہماری کہانی کا مرکزی کردار دعا اپنے والد کے ساتھ سوار تھی۔گاڑی میں ایک عام شکل وصورت کا مالک وجیہہ سا شخص بیٹھا تھا۔گاڑی آگے جاتی تین گاڑیوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔اس کا باپ اسے کچھ بتا رہا تھا۔اور وہ سر ہاں میں جنبش دیتی چہرے پر مسکراہٹ سجائے دل جوئی سے سن رہی تھی۔یہ صبح والی لڑکی سے

بالکل مختلف تھی۔اسے اداکاری نہیں آتی تھی۔وہ بہت بری اداکار تھی۔لیکن وہ کہتے ہیں ناں ماں باپ کے چہرے پر سجی مسکراہٹ کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے غم بھلانے پڑتے ہیں۔کئی بار جوابل ابل کر باہر آرہا ہو اسے ناچاہتے ہوئے بھی زور زبردستی کر کے اندر روکنا پڑتا ہے۔لاوا پھٹ جائے تو ارد گرد سب خاک ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر بیٹی کو کچھ ہو جائے تو ماں باپ کا سب کچھ راکھ ہو جاتا ہے۔بیٹیوں کو اپنے غم چھپانے پڑتے ہیں۔بیٹیوں کو اپنے دل اپنے اختیار میں رکھنے پڑتے ہیں۔بیٹیوں کو ناچاہتے ہوئے بھی دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔اس لیے نہیں کہ وہ کمزور ہیں۔وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں۔یا وہ کچھ کر نہیں سکتی۔نہیں اس لیے بھی نہیں کہ وہ دنیا کی ہولناکیوں سے ڈرتی ہیں۔ہاں وہ ڈرتی ہیں۔وہ ڈرتی ہیں کہ کہیں ان کی وجہ سے ان کی مسکراتی ماں کا چہرہ بجھ نہ جائے۔ان کی وجہ سے ان کے باپ کا وجود ڈھے نہ جائے۔ان کی وجہ سے کہیں ان کے ماں باپ شام کا کھانا، کھانا نہ بھول جائیں۔کہیں ان کے والدین کی آنکھیں نم نہ رہنے لگیں۔کہیں وہ رات کو سونے کی بجائے۔تکیوں کو گیلا نہ کرنے لگ جائیں۔اس لیے بیٹیوں کو غم چھپانے پڑتے ہیں۔نہ چاہتے ہوئے بھی مسکان چہرے پر سجانی پڑتی ہے۔وہ صبح والے سفید سوٹ میں ملبوس تھی۔صفدر صاحب بھی سفید قمیض شلوار پہنے ہوئے تھے۔گاڑی

کے کھلے شیشیوں سے ہوا کے تھپیڑے کار میں بن اجازت گھستے اور اس کے ماتھے پر اور چہرے کے گرد بکھری نادیدہ لٹوں کو لہراتے چلے جاتے۔ سر پر رکھا سفید دوپٹا ہوا سے اترنے کو تھا۔ جب اس نے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا تھا۔اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھے اس کے والد صاحب ہر باپ کی طرح اسے لاہور کی تاریخ بتا رہے تھے۔ان کی یہی عادت وہ جب بھی کہیں ساتھ جاتے تو وہ کسی سڑک کی، شہر کی، کسی جگہ رونما ہونے والے واقعات کی، کسی بھولی بسری زمین کی، کسی سے زبردستی چھینے گئے گھر کی تاریخ بتاتے رہتے تھے۔اب بھی وہ لاہور کی اس مصروف سی شاہراہ کو تاریخی لفظوں میں پروئے اس کے علم میں اضافہ کر رہے تھے۔وہ بیٹھی سن رہی تھی۔ وقتاً فوقتاً اکا دکا سوال بھی پوچھ لیتی تھی۔اب وہ انگلی سے کسی عمارت کی طرف اشارہ کر رہے تھے ۔دعا ان کی انگلی کی تقلید میں دیکھ رہی تھی۔اسی دوران اچانک ان کی نظر کلائی پر بندھی ایک سیاہ رنگ کی گھڑی پر گئی۔گھڑی ایک پینتالیس کا وقت دیکھا رہی تھی۔صفدر صاحب کسی احساس کے تحت چونکے تھے۔

"ہمیں دو، تیس تک وہاں پہنچنا ہے۔ابھی کتنا رستہ باقی ہے۔"انھوں نے متفکر سے لہجے میں ڈرائیور سے پوچھا۔"آگے دس منٹ تک پہنچ جائیں گے"۔ڈرائیور شیشے میں پیچھے سڑک پر

دیکھتے ہوئے کسی روبوٹ کی مانند گویا ہوا تھا۔دعا وقت کے نام پر چونکی۔اس نے کیوں نہیں آج وقت پر دھیان دیا۔کلائی تو اس کی بھی گھڑی سے مستفید تھی۔وقت تو اس کی کلائی میں بھی چل رہا تھا۔پھر آج وہ کیوں وقت دیکھنا بھول گئی تھی۔زندگی کتنی پلٹ کر رہے گئی تھی۔وہ اس ایک واقعے سے کتنا ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔وہ کتنی بدل گئی تھی۔اس کا دھیان،ہاں اس کا دھیان نہیں رہتا تھا۔وہ چیزیں بھول رہی تھی۔وہ اکثر سب گڈمڈ کر جاتی تھی۔سب سے بڑا خسارہ تو یہ تھا وہ سب بھول جاتی تھی۔بس اس کی یاد پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔وہ اسے یاد کہاں کرتی تھی۔وہ کم بخت اسے یاد آتا تھا۔اس کی محبت اس نفرت کی مانند تھی جو دل سے نکالنا بھی چاہو تو کہیں نہ کہیں اٹک ہی جاتی ہے۔اب گاڑی اندرون شہر میں داخل ہو چکی تھی۔یہ لاہور شہر کا کوئی مصروف سا حصہ تھا۔نہیں بلکہ مصروف ترین تھا۔ہر طرف یہ بڑی بڑی عمارتیں تھیں۔مختلف نوعیت کی مختلف طرز پر بنی عمارتیں کسی معمار کے ہنر کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

"کتنی عجیب بات ہے ناں بابا یہ عمارتیں بناتا کون ہے اور ان میں رہتا کون ہے۔"اس نے بڑی ساری عمارت کو دیکھتے ہوئے ٹرانس کی سی کیفیت میں کہا۔

"مطلب" اس کی بات اس عمر رسیدہ شخص کے سر سے پانی کی طرح گزر گئی۔

"معمار عمارت تعمیر کرتا ہے۔دل سے، جان سے، تن سے، پورے من سے اس کو بناتا ہے۔ اس کی ایک، ایک اینٹ کو بالکل ترتیب سے، بالکل صحیح جگہ پر درست طریقے سے لگاتا ہے۔ گرمی میں اس کی جلد دھوپ سے جل کر سیاہ ہو جاتی ہے۔اتنی سیاہ کی بعض لوگ سمجھتے ہیں مستری کا رنگ کالا ہے۔ بعض ان میں سے خار کھاتے ہیں۔ٹپکتے پسینے کہاں، کہاں جذب ہوتے ہیں۔ کس، کس اینٹ پر لگتے ہیں۔ کون، کون سی دیوار پر گرتے ہیں۔ہاتھوں پر کتنے چھالے بن کر پھوٹ جاتے ہیں۔ درد، درد نہیں رہتا۔ درد، درد بن کر رہ جاتا ہے۔ مگر اس سب کی پروا کیے بغیر ہر چیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے۔ معمار بس عمارت کی تعمیر پر دھیان دیتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے کام سے سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے کام پر کسی کے کمینٹس برداشت نہیں کر سکتا ۔کیونکہ وہ اندر سے ایک ایماندار آرٹسٹ ہوتا ہے۔اسے اپنے آرٹ سے مطلب ہوتا ہے۔ آرٹ کو بناتے وقت اس کا کیا گیا۔ کیا باقی رہا۔ یہ سب ردی برابر ہو جاتا ہے۔آنکھوں میں کتنی بار کچھ چبھا سب خاک سا لگتا ہے۔ معمار کو اپنے کام کے آگے ہر شے بے کار لگتی ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں بولے گئی۔ گلہ خشک ہوا تو ذرا دیر کو سانس لینے رکی۔ ساتھ رکھے سفید رنگ کے

www.novelsclubb.com

ہینڈ بیگ سے پانی کی بوتل نکالی اور غٹا غٹ چڑھا گئی۔ صفدر صاحب اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ان کے دماغ میں اس لڑکی کی کوئی بات ذرا سی بھی فٹ نہ ہوتی تھی۔ یا پھر ان کے دماغ کا میموری کارڈ اب بوڑھا ہو رہا تھا۔ وہ یہ سب پروسیس نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کی میموری میں تو یہ سب باتیں درست طریقے سے فیڈ بھی نہیں ہو سکی تھیں۔ ڈرائیور نے ایک عجیب اکتاہٹ بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ عجیب عورت تھی۔ کیسی باتیں کر رہی تھی۔ بازو تو دور کی بات تھی بچارے ڈرائیور کو تو اس کی بات کے سر، پیر بھی نہیں مل رہے۔ ڈرائیو اگر چراغ لے کر بھی ڈھونڈتا تو تب بھی اسے نہ ملتے۔ اس نے جھرجھری لی۔ اور ڈرائونگ پہ فوکس کیا۔ "میں ابھی بھی تمہاری بات کچھ ٹھیک طریقے سے نہیں سمجھ سکا۔" وہ کہنا چاہتے تھے میں تمہاری بات کو سرے سے ہی نہیں سمجھ سکا۔ لیکن نہیں کہہ سکے۔ البتہ ڈرائیور نے سوچا جب میں جو ان سے عمر میں کم ہوں۔ جس کا دماغ بھی ابھی جوان ہے۔ جب وہ ذرا بھی نہیں سمجھ سکا تو پھر یہ کیا سمجھے اتنا کہ بس ٹھیک رہ گیا۔ باقی سارا سمجھ میں بیٹھ گیا۔ یہ آدمی بھی بڑا کوئی چسکورا تھا۔ پاکسان میں کوئی اپنا کام کرلے بنا کسی کے گھر کان لگائے۔ اوں ہوں یہ بالکل ناممکن چیز تھی۔ سب ہو سکتا تھا۔ بس ایک یہی کام ذرا مشکل تھا۔ بس اسی ایک کام کی وجہ سے یہ قوم ترقی پزیر

تھی۔اگر یہ ایک عادت یہ قوم بدل لے تو عین ممکن ہے سارا فوکس ہر کوئی اپنے کام پر لگائے۔ اور مغربی ممالک کی طرح یہ ملک بھی پزیر سے یافتہ ہو جائے۔

"مطلب یہ کہ کتنی عجیب و غریب بات ہے ناں۔بناتا کون ہے۔مگر رہتا کوئی اور ہے۔مشقت کوئی اور اٹھاتا ہے۔مگر لطف اندوز کوئی اور ہوتا ہے۔توجہ کون دیتا ہے۔فائدہ کون اٹھاتا ہے۔ چھت کون بناتا ہے۔اس کے نیچے محفوظ کون ہوتا ہے۔جلتی دھوپ میں پسینہ کون بہاتا ہے۔ ٹھنڈی راہداریوں میں کوئی اور گھومتا ہے۔بنیاد کون رکھتا ہے۔بالکنی میں کھڑے ہو کر شہر کی رنگینیوں کو کوئی اور دیکھتا ہے۔"اسے جو کہنا تھا۔اس نے وہ سب کہہ دیا۔اب کوئی سمجھے نہ سمجھے اسے کسی کو کچھ نہیں سمجھانا تھا۔یہی تو مسلہ تھا کوئی سمجھتا ہی نہیں تھا۔یہ ہی تو مسلہ تھا کچھ سمجھ ہی نہیں آتا تھا۔خیر اس نے سر جھٹکا۔اب وہ ویسے بھی پہنچنے والی تھی۔سو اب اسے اس کام پر focus کرنا تھا جس کے لیے وہ ان راستوں کی خاک چھان رہی تھی۔

"پیسہ لینے والا بناتا ہے اور پیسہ دینے والا رہتا ہے۔"یہ تو بہت سادہ تھا۔تم نے اسے بہت پیچیدہ بنا کر پیش کیا۔صفدر صاحب نے اس کی لمبی تقریر کا دو جملوں میں خلاصہ کر دیا۔

www.novelsclubb.com

اس کے ذہن کے ذہین پردے پر کچھ کلک ہوا۔دل میں جھکڑ چلنے لگے۔نومبر کی سرد سی ہوا بھی اندر جلتی آگ کو کم نہ کر سکی۔بلکہ یہ ہوااس کو مزید بڑھاوادے رہی تھی۔

پیسہ،۔۔۔۔پیسہ۔۔۔۔۔،پیسہ۔۔۔۔۔۔۔اس نے زیر لب دہرایا۔

وہ عمارت جس کی وہ بات کر رہی تھی۔وہ تو کہیں دور رہ گئی تھی۔لیکن عمارتیں اور بہت تھیں۔اس شہر میں سڑکیں ختم ہو جائیں لیکن پینڈ،پینڈ پر کھڑی عمارتیں ختم نہ ہوتی تھیں۔اسے اگر کوئی پوچھتا تو وہ اسے عمارتوں کا شہر کہتی۔

بابا نے جواب دیا تو وہ باہر مسکرا دی۔مروتاً ہی صحیح مگر وہ مسکرا رہی تھی۔

یہی سب سے بڑی بات تھی کہ وہ مسکرا رہی تھی۔

وقت کی گھنٹوں والی سوئیوں کو پیچھے گھماتے ہیں۔ان کو اپنے مطلوبہ وقت تک پیچھے کرتے ہیں۔وہاں تک جہاں تک ہمیں ہمارا point ملتا ہے۔صبح سویرے کا وقت تھا۔اس نے چائے پی لی تھی۔وہ مومنہ سے باتیں بھی کر چکی تھی۔وہ قد آور آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔مومنہ اسے بار بار دیکھ رہی تھی۔اس کے انداز میں کچھ تھا۔کچھ اضافی سا۔"مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم

کہیں جا رہی ہو۔" وہ اپنے بالوں کو انگلی سے کان کے پیچھے سیٹ کر رہی تھی۔ جب مومنہ کی آواز پر اس نے شیشے میں سے ہی اپنے بیک پر کھڑی مومنہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔"

ہنہہ۔۔۔۔۔، "مومنہ کو اس کا یہ مسکرانا نری اذیت لگا۔ رونے سے زیادہ تو یوں مسکرانا برا تھا۔ محبت نے اپنا اثر اس کی روح تک حائل کر دیا تھا۔" بالکل صحیح لگ رہا ہے تمہیں میری جان۔" وہ محبت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔ اب وہ کھلے بالوں کو چوٹیا میں گوندر ہی تھی۔ وہ یوں آئینے کے سامنے سفید سوٹ میں ملبوس سبز، سنہری آنکھیں جو کچھ، کچھ بھوری سی تھیں، سرخ رخسار لیے کوئی مورت لگ رہی تھی۔ یہ اپنے آپ میں ایک مکمل تصویر تھی۔ کسی بدنصیب مصور کی تصویر جو اپنے ہاتھوں سے اپنی سب سے قیمتی پینٹنگ گنوا چکا تھا۔

www.novelsclubb.com

"کہاں۔۔۔ کہاں جا رہی ہو تم۔" اب وہ تکیے درست کر رہی تھی۔

"کل گئی تھی ناں میں رزلٹ کارڈ وغیرہ لینے۔ (کل گئی تھی ناں دھوکہ کھانے) اسی لیے گئی تھی (کیا لینے گئی تھی اور کیا لے آئی تھی) کیونکہ آج میرا ٹیسٹ ہے۔ (جو ٹیسٹ زندگی لے چکی اس کے بعد تو ہر شے موت کا ٹرائل لگتی ہے۔) انٹرویو ہے میرا یونیورسٹی میں۔ (کاش میں کسی

اندھیری غار میں چیخ چیخ کر کسی کو اپنا غم سنا پاتی۔) میں نے بابا سے کہا ہے وہ لے جائیں گے۔"
سفید سوٹ پر سنہری بال مزید خوبصورت لگ رہے تھے۔ مومنہ کو یہ بات معلوم تھی۔ مگر کل رات جو ہوا تھا اس کے بعد مومنہ کے دماغ میں چیزیں ہل گئی تھیں۔

جب کسی کا دل ٹوٹے تو وہ ہی نہیں اس سے ملحقہ افراد بھی ہل کر رہ جاتے ہیں۔ ان کے دماغ بھی ادھر سے ادھر ہو جاتے ہیں۔ ایسی چیزیں اکثر ہمارے ساتھ والوں کو بھی بہت ہرٹ کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اور آپ جن سے محبت کرتے ہو۔ ان کی تکلیف اپنی تکلیف لگتی ہے۔ ان کا درد اپنا درد لگتا ہے۔ مومنہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ اسے بھول کیوں گیا تھا۔ جب اس نے لمبے بالوں کو چٹیا میں گوندتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ وہ کہہ چکی تو مومنہ کی طرف دیکھا۔ مومنہ اب تکیہ رکھ کر بیڈ کی پائنتی پر ٹک گئی تھی۔ دعا کے پیچھے آئینے کے سامنے۔ ٹھنڈی ہوا سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ اسے ٹھنڈ بہت لگتی تھی۔ اس کی نسبت دعا ٹھنڈ کو برداشت کرنے میں اچھی تھی۔ اسے اتنی سردی نہیں لگتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تم ہرٹ ہو۔ تم دے لو گی انٹرویو۔" مومنہ جانے کس احساس کے تحت اس سے استفسار کر رہی تھی۔ مگر دعا اس کی اس بات پر مسکرا دی۔ ویسے بھی وہ بہت رو لی تھی۔ اب آنکھو میں آنسو آ کے ہی نہیں دے رہے تھے۔ "ہاں میں ہرٹ ہوں۔ میں اتنی ہرٹ ہوں کہ مجھے لگتا ہے کہ میرا ہارٹ ہی فیل ہو جائے گا۔ نہیں بلکہ اب تک ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر نہیں ہوا۔ سو ظاہر ہے آگے بھی نہیں ہو گا۔ اب چونکہ دل کے زخموں سے چور ہے۔ روح، روح تو ویسے ہی کانپی ہوئی ہے۔ ہر آہٹ پر دل اچھل کر گلے میں آ جاتا ہے۔ ہر بات پر اس کی کہی باتیں ہتھوڑے کی گہری ضربیں میرے اعصاب پر برستی ہیں۔ دل کرتا ہے۔ سب چھوڑ چھاڑ کر اندھیرے کو ساتھی بنا کر کمرے میں قیام پذیر رہوں۔ اوں ہوں، نہیں رہا جاتا۔ کیونکہ جس طرح محبت جدید ہو گئی ہے۔ اس طرح ہم دھوکے کھانے والے بھی جدید ہو گئے ہیں۔ ہم نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ کمرے میں بند ہو کر سوگ نہیں منانا۔ ظاہر ہے دل پہ لگی چوٹ جلد نہیں جاتی۔ پھر کم بخت جو مرہم ہو۔ وہی تو چوٹ دیتا ہے۔ جب مرہم چوٹ دینے لگ جائے ناں۔ پھر زخم ناسور بن جاتے ہیں۔ ناسور زخموں کو بھلا کون بھر سکتا ہے۔ سوائے اس کے جو ہر کھوٹی شے کو سونا کر سکتا ہے۔ لیکن خلاصہ یہ کہ ہم جدید ہو گئے ہیں۔ ہم محبت بھی کریں گے۔ دھوکے بھی کھائیں گے

www.novelsclubb.com

۔سوگ بھی منائیں گے۔لیکن بس گلی، گلی، آہ وزاریاں نہیں کریں گے۔ہزار دلیلیں ہوں۔ ہزار وجوہات ہوں۔لاکھ کوئی کہے۔مگر دل تو دکھتا ہے ناں۔لیکن اس سب میں سب سے اہم ہے ہماری اپنی ذات۔اگر کوئی شے مقدم ہے تو وہ ہے ہماری اپنی زندگی۔ہزار دل ٹوٹیں مگر اپنی ذات کے ساتھ سمجھوتا مت کریں۔چھوٹے لوگوں کے لیے خود کو خود ترسی کا شکار مت ہونے دیں۔اپنی ذات، اپنا کیریر، اپنی پہچان، اپنی سوشل لائف، اس سب کو دل کے بیچ میں نہیں لانا چاہیے۔محبت کو ہمیشہ کیریئر سے علیحدہ رکھنا چاہیے۔محبت کے بغیر انسان جیسے تیسے گزارا کر لیتا ہے۔مگر روزی کے بغیر نہیں ہوتا۔کیونکہ روٹی کے بغیر نیند نہیں آتی۔سو مجھے انٹرویو دینے میں کوئی پرو بلم نہیں ہو گی۔" وہ رکھائی سے اپنی بات مکمل کر رہی تھی۔اس کا انداز کاؤنسلر جیسا تھا ۔کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا۔کہ اسے کسی نے توڑا ہے۔وہ بات کرتے وقت اکثر ایسی ہی ہو جاتی تھی۔وہ اچھی اداکار نہیں تھی۔لیکن وہ ایک بات کے ساتھ دوسرا غم attach نہیں کرتی تھی

۔

وقت بدل نہیں رہا وقت بدل چکا ہے۔اب ہمیں بہت کچھ سیکھنے اور سیکھتے رہنے کی ضرورت ہے ۔اب وہ وقت ہے کہ ہم وقت کی ضرورت کو سمجھیں جسے ہم نے ہمیشہ رد کر دیا۔ہمیں اب

سکول میں بیٹھ کر کچی کے بچوں کی طرح رٹے نہیں مارنے۔ ہمیں اب خود پر کام کرنا سیکھنا ہے۔ ہمیں خود کو پالش کرنا ہے۔ خود پہ کام کرنے کے لیے کسی عمر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جس لمحے میں آپ زندہ ہیں۔ یہی وہ لمحہ ہے۔ جس کی سب کو ضرورت ہوتی ہے۔اور یہ آپ کے پاس ہے۔اپنی ذات پر کام کریں۔اپنے بچوں کی personality پر کام کریں۔انھیں سیکھائیں خود کو کیسے grow کرنا ہے۔ جس لمحہ میں تم زندہ وہی اصل میں تمہارا اصل ہے۔اور وہی لمحہ تمہارا لمحہ ہے۔اس سے آگے سب سراب ہے۔اس کے پیچھے سب خاک ہے۔

بچے سکول میں ورق اور بورڈ کی participation سیکھتے ہیں۔اس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کی سیکھی تھی۔ایک چیز کو دوسری سے کیسے الگ رکھنا ہے۔اس نے یہ سیکھا تھا۔وہ نہ تو ذہین بچوں کی طرح ہر وقت کتابوں اور ٹیچروں کی چاپلوسی کرتی تھی۔اور نہ ہی کند ذہن اور بیک بینچرز کی طرح بس ہر وقت کوئی نیا شوشا، کوئی نئی چس، کوئی نئی چال میں لگی رہتی تھی۔وہ مختلف تھی۔وہ سوشل تھی۔اسے سوشل رہنا ہی نہیں سوشل سکلز کو سیکھنا بھی پسند تھا۔اس سب میں اس نے بہت کچھ سیکھا تھا۔اس بہت کچھ میں اس نے یہ بھی سیکھ لیا تھا۔کہ کب

www.novelsclubb.com

غمگیں ہونا ہے۔ کس کے سامنے رونا ہے۔ کس کو اپنے دکھ نہیں بتانے۔ کس سے آنکھیں ملانی ہیں۔ کس سے نظریں پھیر لینی ہیں۔

(کسی بھی قسم کا صدمہ پہنچنے کی صورت میں خود کو بند کمرے میں بتیاں بجھا کر بند کر لینا۔ دماغ کے لیے شدید نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اندھیرا مایوسی کو مزید بڑھا سکتا ہے۔ جو متاثرہ شخص کے صدمے کو طویل کر سکتی ہے۔)

مومنہ نے گہری سانس لی۔ وہ اس کی بات کم سن رہی تھی۔ مگر اسے نوٹ زیادہ کر رہی تھی۔ جو چیز سب سے زیادہ اس نے نوٹ کی وہ تھی۔ وہ دعا کا بہت زیادہ بولنا تھا۔ بولتی تو پہلے بھی بہت تھی۔ مگر اب وہ بہت سے زیادہ تک کا سفر کر چکی تھی۔ مومنہ کو عجیب لگا۔ ایسی صورتِ حال میں لوگ اکثر چپ ہو جایا کرتے ہیں۔ کمرے کی دیواروں پر جو راز آشکار تھے۔ وہ چاہ کر بھی ساتھ لگی پینٹنگ کو نہ بتا سکیں۔ دیوار پہ لٹکی ہوئی پینٹنگ متجسس رہ گئی۔

www.novelsclubb.com

•••••••••

شام ڈھل چکی تھی۔پرندے اپنے گھروں کو ہجرت کر چکے تھے۔ہر شے پر سکون طاری ہو رہا تھا ۔ہر ذی روح تھکان کو دور کرنے اپنے گھروں کی اور جا رہی تھی۔آسمان پر پرندوں کے غول تھے۔زمین پر انسانوں کی بھیڑ تھی۔سب اپنی،اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھے۔کسی کو دن بھر کی کمائی مل چکی تھی۔کوئی اپنے بچوں کے لیے پھل فروٹ خرید رہا تھا۔کسی کے چہرے پر بیزاری تھی۔کسی کو آج اس کی مزدوری نہ مل سکی۔کوئی خالی ہاتھ گھر جا رہا تھا۔ان سب کے برعکس پرندے بہت پر سکون سے اڑ رہے تھے۔ان کی چونچ میں کل کی فکر کے لیے کوئی دانہ دنکا نہیں تھا۔ان کا توکل اللہ پر انسانوں سے زیادہ مظبوط تھا۔وہ انسانوں سے کہیں زیادہ اللہ پر یقین کرتے دکھائی دیتے تھے۔وہ اپنا کل اس ذات پر چھوڑ رہے تھے۔جو ہر شے کی مالک ہے۔ انھیں اللہ پر بھروسہ تھا۔اللہ کی قدرت پر یقین کی ڈور تھامے وہ پرندوں کو آسمان کی وسعتوں میں پھیلائے۔چونچ کو فردا کے دانے سے آزاد رکھے۔آنکھوں کو منزل پر جمائے۔وہ بہت خوش دلی سے آسمان کے سینے پر پرواز کر رہے تھے۔کاش انسانوں کے یقیں بھی پرندوں کی مانند

www.novelsclubb.com

ہوتے تو آج ان کے مضطرب دلوں میں پریشانی کی جگہ سکون کی لہریں گردش کرتے ہوئے ان کے پس مردہ چہروں پر آرام کی لہر دوڑا کر انھیں مسکرانے پر مجبور کر دیتی۔

یہی شام گیلانی ہاؤس پر بھی اتری تھی۔ سفید رنگ سے پینٹ ہوا یہ گھر خاموشی کی چادر اوڑھے کسی کے دلرفتگی کی داستاں سنا رہا تھا۔ امبر گیلانی اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ بالکل ربورٹ کی مانند دیکھائی دیتی تھی۔ انسانی جذبوں کا دخل اس میں بہت کم دیکھا گیا تھا۔ زندگی کی دوڑ سے آزاد وہ پُر سکون سی کمرے کے نکر پر رکھے ایک میز پر کھٹا کھٹ ٹائپنگ کر رہی تھی۔ جس کھٹ، کھٹ کی آواز خاموشی کے اس گھر میں کوئی بے سری سی صدا بن کر گونج رہی تھی۔ ساتھ، ساتھ وہ لیپ ٹاپ کے قریب رکھے صفحات سے کچھ نوٹ بھی کر رہی تھی۔ اب وہ پینسل کو ہاتھ میں پکڑے پیڈ پر جھکے کچھ لکھ رہی تھی۔ کمرے میں اس نے شام سے ہی بتی بند کر رکھی تھی۔ ایک واحد روشنی اس کمرے میں اس لیمپ کی تھی۔ جو اس کے سامنے میز پر رکھا تھا۔ اسی لیمپ کی زرد روشنی میں اس کا چہرہ زرد، زرد سا دیکھائی دے رہا تھا۔ سفید ورق پر پھیلی نیلی روشنائی، زرد رنگ سے ٹکرا کر منعکس ہو رہی تھی۔ وہ لکھتی لکھتی تھک چکی تو گردن کو پیچھے کرسی پر گرائے دونوں ہاتھوں سے دبانے لگی۔ اس کے سفید کپڑوں پر زرد روشنی

www.novelsclubb.com

بکھر رہی تھی۔روشنی بکھرتی اوراس کے وجود میں جذب ہوتی چلی جاتی تھی۔اس نے گردن کو دائیں بائیں گھمایا۔ہاتھوں کو لمبا کیا۔انگڑائی کے انداز میں۔اب وہ پانی کی بوتل کو پکڑ رہی تھی۔ بوتل میں پانی نہیں تھا۔اس نے افسوس سے گردن ہلائی۔بوتل اٹھائے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔راہداری سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ان صوفوں پر پڑی۔ جہاں کچھ دیر پہلے وہ تینوں بیٹھے arguments کر رہے تھے۔

وقت نے اپنی چلتی سوئیوں کو بہت تگ ودو کر کے روکا۔جب وہ رک گئیں۔پھر وقت کسی بگڑے بچے کی مانند پیچھے کو سرکنے لگا۔اب وقت حال سے کچھ پیچھے جا چکا تھا۔جہاں صوفوں پر وہ تینوں براجمان تھیں۔ماحول میں اچانک ہی تناؤ بڑھ گیا تھا۔فضا میں آکسیجن کی جگہ پر تنفر بکھر گیا تھا۔پہلے ماحول میں صلح صفائی کا عالم تھا۔پھر بات صلح کے پیچھے چھپے طوفان پر آن پہنچی۔کئی بار صلح کسی طوفان کو چھپانے کے لیے بھی کی جاتی ہے۔مگر طوفان کو آنے سے کون روک پایا ہے۔ہر شے کا وقت مقرر ہے۔ہر چیز کو اپنے مقررہ وقت پر ہو کر رہنا ہے۔انسان کی ترکیبیں اور تدبیریں وقت کے سامنے سب ماند پڑ جاتی ہیں۔ہزار منصوبے بھی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔لاکھ کوششیں بھی خاک ہو جاتی ہیں۔ان تینوں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔حفاظتی

www.novelsclubb.com

بند ٹوٹ گیا تھا۔جب بند ٹوٹ جائے تو پھر پانی نہیں رکتا۔بہتا ہوا پانی نہیں دیکھتا کہ اس کے بہاؤ میں کس کا گھر، کس کے جزبات، کس کا دل اور کس کے مان بہ رہے ہیں۔یہ بس بہالے جاتا ہے ۔پانی ہر شے سے زیادہ بے حس ہوتا ہے۔جب اپنے آپ آئے تو بادشاہوں کے محلوں کو بھی غارت کر دے۔ایسے ہی کسی ریلے کی زد میں آج کی یہ شام بھی آ گئی تھی۔

امبر نے کچھ کہا تو ماں نے اس کی طرف مقہور سا دیکھا۔کنزہ بھی متزلزل سی اسے دیکھنے لگی۔" آپ لوگ ایسے کیوں دیکھ رہیں مجھے۔جیسے میں نے کسی ملک پر بمباری کی اطلاع دی ہو۔"اس نے باری باری ماں اور کنزہ کی طرف دیکھا۔امبر آنکھیں ہر جذبے سے عاری تھیں۔

ماں ژولیدہ سی اسے تکتی رہی۔کنزہ ملول و مغموم سی اسے دیکھتی رہی۔کل تک تو وہ اس شخص کا نام تک نہیں لینا چاہتی تھی۔پھر آج، آج اسے کونسا دورہ پڑ گیا تھا۔خیر اس دورے کے اثرات اچھے تھے یا برے یہ تو اس کی بات سن کر ہی معلوم پڑنا تھا۔

"تمہیں کسی نے بہت غلط بتایا ہے کنزہ آپا۔لوگ جب اپنی بیٹیوں کو ڈولی کی سولی پر چڑھاتے ہیں ۔تو وہ انھیں بتاتے ہیں۔کہ بیٹا جب تک یہ سولی تمہاری گردن تک نہ پہنچے خوب خوش رہنا۔

www.novelsclubb.com

اپنے گھر کو بھی بنائے رکھنا۔ سولی ذرا تنگ بھی ہو تو گزارا کر لینا۔ کیونکہ گھر بہت بڑا ظالم ہے۔ لوگ کہتے ہیں گھر سکون ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا۔ یہ سکون اس گھر میں کیسے پیدا ہوتا ہے۔ کتنے ظلم، کتنی آہیں اس کی دیواروں میں جذب ہو کر کہیں ان دیکھے منظر میں قید ہو جاتی ہیں۔" اماں اسے سنتی رہی۔ اماں کو معلوم تھا۔ جب وہ بولنے پر آئے تو اسے کوئی چپ نہیں کروا سکتا۔ کنزہ نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ امبر نے ہمیشہ کی طرح ایک گہرا سانس لیا۔ بات کے درمیان رک کر سانس لینا۔ اور بیچ میں ذرا سا ٹھہر جانا اس کی عادت تھی۔ "ہاں تو میں کہ رہی تھی کہ "باپ" باپ بیٹی سے کہتا ہے۔ کہ بیٹا جب یہ سولی تمہاری گردن کو گھوٹنے لگے ناں۔ پھر کسی کی مت سننا۔ ہر زنجیر کو بالائے طاق رکھ کر بس مجھے ایک کال کرنا۔ پھر تمہیں کسی کے گھر کو اپنے خون سے سینچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ گھر تب تک بساتی رہنا جب تک وہ تمہارے سانس کو نہ گھوٹے۔ مگر جیسے تمہیں اپنی سانس اس گھر میں گھٹتی ہوئی محسوس ہو تو پلٹ آنا۔ ہر شے کو ٹھوکر مار کر۔ ہر قربانی کو بھول کر۔ بس آ جانا کیونکہ "تمہارا باپ" ابھی زندہ ہے۔ "اس نے باپ پر زور دیا تھا۔ اپنی بات مکمل کی تو باری، باری، ٹکر، ٹکر ماں اور کنزہ کی طرف دیکھا۔ جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ آنکھوں کے اشارے سے پوچھا۔ کہ صحیح کہا ناں میں نے۔

پھر خود کو سینے پر ہاتھ رکھ کر داد دی۔ بالکل درست کہنے کی داد۔ وہ غلط کبھی ہو ہی نہیں سکتی تھی ۔کم از کم اس زندگی میں تو وہ غلط نہیں ہو سکتی تھی۔اسے خود پر مان ہوا تھا۔وہ مسکرائی تو ماحول میں بڑھتی کشیدگی کچھ کم ہو گئی۔ تناؤ نومبر کی ٹھنڈی ہوا میں مزید نہ ٹھہر سکا۔اور اپنا بوریہ بستر سمیٹ کر جہاں سے آیا تھا۔وہیں جا کر سو گیا۔ماں دلرفتگی کے عالم میں آنکھوں میں برجستگی کا مغموم لیے اسے دیکھتی رہ گئی۔وہ کب کہاں آکر چوٹ کر رہی تھی۔

کنزہ کی آنکھوں میں ملال تھا۔اس بات کا ملال کہ اسے کبھی کسی نے کیوں نہیں بتایا کہ کوئی واپسی کا راستہ بھی متعین ہے۔کوئی پگڈنڈی زندگی کی کٹھن راہوں سے نکالنے کے لیے کسی گاؤں کی کچی سڑک سے ہو کر عالم وحشت میں رستہ بنائے ہوئے ہے۔زندگی کی بے جا پریشانیوں میں مبتلا سکون کی فضا اپنے چاہنے والی کو صدائیں لگاتی ہے۔اسے تو کسی نے نہیں بتایا تھا۔وہ کیوں نہ یہ سوچ سکی۔اسے کبھی اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا کہ جب مارنے والا موجود ہو تو بچانے والا بھی ہوتا ہے۔جب زہر پلانے والا موجود ہو تو اس کا تریاق بنانے والا بھی ہوتا ہے ۔جب آنسو بہانے والا موجود ہو تو پھر ان کو پوچھنے والا بھی ہوتا ہے۔جب کوئی غلط کرنے والا ہو تو اسے صحیح کرنے والا بھی موجود ہوتا ہے۔جب جنگوں کا دور ہو تو امن کا پیغام بھی آتا ہے۔

www.novelsclubb.com

لیکن اسے تو کبھی یہ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ کسی نے نہیں بتایا تھا۔ مگر پھر کنزہ کو کیسے پتہ تھا۔ اسے بھی تو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اسے تو ماں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ کب اس سوچ میں غرق ہر شے سے بے نیاز اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اسے اس بات کا ذرا برابر اندازہ نہیں ہو سکا۔

یہ دوسری دفعہ تھا۔ یہ دوسرا حملہ تھا۔ اس کا سویا ٹراما جاگ اٹھا تھا۔ انسان مکمل طور پر کبھی بھی heal نہیں ہو سکتا۔ وقتی طور پر ضرور ہوتا ہے۔ کسی بھی بات کو کرنے سے پہلے سامنے والے انسان کو اعتماد میں لینا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ ایسا انسان جو پہلے traumatic age سے گزر چکا ہو۔ اسے دوبارہ سے traumatized ہونے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔ ٹراما وہ سویا ہوا دشمن ہے۔ جو آنکھ کھلتے ہی حملہ کر دیتا ہے۔)

www.novelsclubb.com

وہ اب اپنے کمرے میں بیڈ کی پائنتی پر بیٹھی شش و پنج میں مبتلا تھی۔ دماغ کی حدودوں پر جو بندھ کئی عرصہ پہلے بلا کی تگ و دو کے بعد بٹھائے تھے۔ وہ اب بکھرنے لگے تھے۔ وہ متمکن سا وجود سب ملول میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ زندگی اپنے ڈگر سے پھر سے ہٹتی دکھائی دینے لگی تھی۔ کتنی اذیتیں جھیل کر، اپنی ذات کے جو بکھرے ٹکڑے سمیٹے تھے۔ وہ پھر سے کرچی، کرچی ہونے

لگے تھے۔توڑنے والا ایک لمحہ نہیں لگاتا توڑنے میں اور ٹوٹنے والے کو پھر سے یکجا ہونے میں زمانے بیت جاتے ہیں۔

)ڈر کا واپس لوٹنا، بری یادوں کا ذہن میں آنا، گزرے وقت کا خیال بار، بار آنا۔کسی ایسے شخص کے لیے جو پہلے شدید ذہنی حالات سے گزر چکا ہو۔پی۔ٹی۔ایس۔ڈی کہتے ہیں۔اس ذہنی بیماری میں post traumatic stress disorder کہتے ہیں۔اس قسم کے ٹراما میں ذہنی اذیت اور تکلیف دہ تجربات اور ان کا خیال بار بار آتا ہے۔)

"ہوتا ہے، ہوتا ہے، ہوتا ہے "اس کے کانوں میں امبر کی آواز ہتھوڑوں کی مانند گونج رہی تھی۔

پھر اور لفظ اس کے کانوں میں صور کی طرح گونجا۔"باپ"۔۔۔۔"باپ"۔۔۔"باپ"
بتاتے ہیں۔"امبر کے کہے الفاظ اس کی سماعت میں ان پھونکے صور کی طرح گھلتے چلے گئے۔
اسے اپنے کانوں سے کوئی مائع سا بہتا ہوا محسوس ہوا۔اس نے لاشعوری طور پر کانوں کو چھو کر دیکھا۔اس کے کانوں سے کچھ رس رہا تھا۔کوئی مائع سی۔اس نے ہاتھ اپنے سامنے کیا۔اسے یقین نہیں آیا۔اس نے یقین کرنا چاہا۔وہ جو دیکھ رہی تھی۔وہ ماننا نہیں چاہتی تھی۔اس کے لفظ

منہ کی کسی کھائی میں دبتے چلے گئی۔اسے لگا اسے hallucination ہو رہی ہے۔ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔اس نے دوبارہ کانوں کو ہاتھ لگایا۔اس بار اس نے دل سے دعا کی تھی۔کہ اللہ کچھ بھی ہو۔بس یہ سچ نہ ہو۔یہ، یہ مت ہو۔وہ اس دفع نہیں سہہ پائے گی۔اب اور نہیں اللہ پلیز۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھل، بھل بہ رہے تھے۔آنکھوں کے ساحل پر ریت کے ٹیلے تھے۔ رخساروں پر سمندر کی لہریں لہر، لہر جاتی تھیں۔خوف، ڈر، دہشت سب اس پہ طاری تھا۔اس نے ناچاہتے ہوئے بھی آنکھوں کو زور سے میچ کر کھولا۔ہاتھ اپنے سامنے کیا۔پھر انگلیوں پر دیکھا۔اور ساری دعائیں جیسے رد ہو گئیں۔گھر کی چھت اس کے نازک وجود پر گر پڑی۔اس کی انگلیوں پر کچھ مائع جیسا لگا تھا۔مطلب وہ سب پھر سے ہونا شروع ہو گیا تھا۔وہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہ سکی۔دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔سینے میں جھکڑ چل رہے تھے۔ملول، دلرفتگی، کرب سب اس پہ ایک ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔

)اگر کانوں سے مائع رسنے کا مسلہ کسی ماضی کے ٹراما کی وجہ سے ہو تو

Psychosomatic Disorder کہتے ہیں۔اس قسم کی ڈس آڈر میں ذہنی یا نفسیاتی عوامل جسمانی علامات بھی پیدا کر سکتے ہیں۔تو جو کسی طبّی وجہ کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔

سائیکالوجی میں یہ علامات اکثر conversion disorder اور یا factious disorder کے تحت آتی ہیں۔ایسے مریض اگر کسی جزباتی،ذہنی ٹراما میں مبتلا ہو تو ٹراما جسمانی علامات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ایسے ٹراماز جو ماضی سے ریلیٹڈ ہوں اور جسمانی علامات کی صورت میں ظاہر ہوں ان کو ٹرامار یلیٹڈ ٹو سائیکو سومیٹک سمپٹمز کہا جاتا ہے۔یہ شدید ہونے کے باعث اپنے اثرات جسمانی علامات کے طور پر دکھاتے ہیں۔)

باقی جو ہوا وہ سب کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں ہوا تھا۔اس نے خود کو بیڈ کی پائنتی چھوڑتے ہوئے دیکھا۔وہ کسی طلسم کے زیر اثر اپنے ہاتھ کو مسل رہی تھی۔وہ کسی بھی طرح اس مائع کو جھوٹ کرنا چاہتی تھی۔اس نے دیکھا کہ وہ اپنی انگلی سے رگڑ،رگڑ کر کھال اتار چکی ہے۔اسے انگلی پر درد محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔اس نے کمرے میں موجود واشروم کے دروازے کو وا کیا اور اندر داخل ہو گئی۔دروازہ اس نے ٹھا کی آواز سے دے مارا۔آواز کمرے کے کھلے دروازے سے باہر تک گئی تھی۔اس نے دیکھا کہ وہ بیسن کے سامنے کھڑی ہے۔وہ اپنے چہرے کو دیکھ رہی ہے۔مگر وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔اس کی نظریں بس ایک نقطے پر جامد تھیں۔کانوں سے نکلتا وہ مائع اب پہلے کی طرح سفید نہیں تھا۔وہ زیادہ اثر پا ہو چکا تھا۔مائع کا رنگ سرخ ہو چکا

www.novelsclubb.com

تھا۔اس نے بیسن کھولا اور کانوں پر پانی کے دھڑا دھڑ اچھینٹے مارے۔وہ پانی سے کانوں کو دھوتی رہی یہاں تک کے کان صاف ہو گئے۔اب کانوں سے کچھ بھی نہیں بہ رہا تھا۔مگر جو بہ چکا تھا۔ وہ اسے ہلا چکا تھا۔ایک نئی سزا سنا چکا تھا۔ایک نئی انہونی کی خبر دے چکا تھا۔کنزہ اور اماں تک دروازے کے لگنے کی آواز پہنچی تو وہ دوڑی ہوئی آئیں۔وہ اب دونوں زور،زور سے واشروم کا دروازہ پیٹ رہی تھیں۔اماں رو رہی تھی۔آنسو قطار کی صورت بہہ رہے تھے۔امبر مضطرب سی کبھی اماں کو چپ کرواتی تو کبھی دروازے کو بجاتی تھی۔اندر وہ آئینے کے سامنے بت بنی کھڑی تھی۔دماغ کہیں چلا گیا تھا۔یا پھر دل اپنے مقام پر نہیں رہا تھا۔اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔وہ خود پر اپنا اختیار کھوتی جا رہی تھی۔وہ پھر سے اسی دلدل میں دھنستی چلی جا رہی تھی۔

زندگی نے اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔زندگی کو کسی کے ساتھ ظلم کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔زندگی کو کسی کے اختیار چھین لینے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔زندگی کو کسی کی زندگی کے تمام حقوق سلب کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔زندگی کو زندگی عذاب کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہاتھ سفید بیسن کے بند پر ٹکائے۔اپنی مسخ شدہ ذات کو دیکھ رہی تھی۔پھر اس نے خود کو منہ پر پانی کے چھینٹیں اچھالتے ہوئے دیکھا۔پانی کے کچھ

قطرے اس کے منہ پر لگے تھے۔اور کچھ قطرے کندھوں اور بالوں پر گر گئے تھے۔ڈوپٹہ کہاں تھا۔باہر کہیں گر گیا تھا۔یا واشروم میں کہیں پڑا تھا۔اسے کچھ یاد نہیں پڑتا تھا۔نہ وہ کچھ یاد کرنے کی حالت میں تھی۔چند لمحے کسی طوفان کی طرح تھے۔آئے اور گزر گئے۔مگر اپنے ساتھ ساری جمع پونجی اڑا لے گئے۔کسی فسوں زدہ لمحے کے زیر اثر وہ واپس مڑی سفید رنگ کی دیواروں والا واشروم اس کی یہ کیفیت پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا تھا۔مگر اس بار کی تکلیف اسے پہلے سے زیادہ محسوس ہوئی تھی۔اب وہ دروازہ کھول رہی تھی۔اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔دروازہ کھلا تو سامنے ماں تھی۔ماں کی حالت کنزہ سے زیادہ بری ہو گئی تھی۔ان کے ہاتھ دروازہ پیٹ،پیٹ کر سرخ پڑ چکے تھے۔امبر ماں کو کندھوں سے پکڑے چپ کرا رہی تھی۔ماں نے اسے دیکھ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔کتنی اذیت ناک ہوتا ہے۔بیٹی کا درد یہ صرف ماں ہی جان سکتی ہے۔بے بسی،لاچارگی،اذیت،غم کی ہر قسم تھی یہاں۔جو رہ گئی وہ بعد میں صحیح۔

کاش کسی کی ذات کو مسخ کرنے والے آدمی کو کوئی سکھاتا کہ مرد کیا ہوتا ہے۔مرد کی تعریف تو آج تک کسی نے بتائی نہیں۔مرد اور جانور میں فرق کرنا سکھایا جاتا تو آج کسی لڑکی کو ٹراما زسے نہ گزرنا پڑتا۔کسی کو اپنی ذات سے ڈر کر نا بھاگنا پڑتا۔توڑنے والا تو توڑ دیتا ہے۔کوئی ٹوٹنے والے

سے پوچھے زندگی کتنی اذیت ناک ہو جاتی ہے۔جب یہ کسی کے بکھیرنے سے بکھر جاتی ہے۔ کرچیاں سمٹ بھی جائیں تو جڑتی نہیں ہیں۔جڑ جائیں تو پہلے جیسی نہیں رہتی۔کسی بھی انسان کو کسی دوسرے انسان کو ریزہ،ریزہ کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔

کچن سے کچھ گرنے کی آواز آئی تو وہ خیالوں کا ہجوم درد کی آواز سے ٹوٹ گیا۔اس نے خیال سے باہر نکلتے جھرجھری لی۔اس کی آنکھوں میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی شے ٹھہر گئی تھی۔مگر وہ اب بھی بے تاثر تھی۔جیسے ہر شے سے بے نیاز ہو۔کیونکہ وہ مضبوط تھی۔چٹان کی مانند مضبوط اور سمندر کی طرح گہری تھی۔اس نے کچن کی طرف دیکھا۔جہاں ایک کالے رنگ کی بلی کچن کے میز پر دو چولہوں کے درمیان بیٹھی کچھ تلاش کر رہی تھی۔پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا جگ دیکھا۔وہ پانی بھرنے آئی تھی۔اور خیالوں میں کھو گئی۔یہ خیال بھی عجیب تھے۔کہیں بھی کبھی بن بلائے زندگی کے کسی بھی موڑ پر پھیلائے گزرے لمحوں کی یادوں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔ کاش انھیں کوئی آداب سکھائے۔

www.novelsclubb.com

خیر اس کے چہرے پر بلی کو دیکھ کر نرم سی مسکراہٹ در آئی۔آج کتنے دن بعد گھر لوٹی تھی وہ۔ امبر تو اسے بھولنے لگی تھی۔وہ کچن میں گئی۔راہداری سمیت پورے ہال میں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ اس نے کچن کی لائٹ آن کی اوپن کچن سے روشنی کی نادیدہ کرنیں ہال سے راہداری تک پھیلنے لگیں۔بلی نے چونک کر دیکھا۔پہلے سیاہ بلی ڈر گئی۔مگر امبر کو دیکھ کو وہ میز سے نیچے اتری اور امبر کے پیروں میں منہ رگڑنے لگی۔امبر موہوم سی گردن جھکائے اسے دیکھتی رہی۔بلی بہت تگ ودو کے بعد امبر کو منانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔امبر نے اسے گود میں بھر لیا۔۔۔۔۔اس کے چہرے پر ایک زندگی کے کئی رنگ دوڑ گئے۔بلی میاؤں، میاؤں کرنے لگی۔اب وہ اپنا منہ اس کی گردن میں چھپا رہی تھی۔امبر کھلکھلا کر ہنس دی۔۔۔۔۔

افکار، غم، دلرفتگی یہ سب زندگی کا حصہ ہیں۔ان میں سے کسی چیز میں اتنی ہمت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ آپ کی ہنسی کو چھین سکیں۔اور نہ ہی آپ کو انھیں اتنی اہمیت دینی چاہیے وہ آپ کے وجود پر اتنا غالب آجائیں کہ آپ خوشیوں کو بھول کر غموں سے مغلوب ہو جائیں۔زندگی کو زندگی کی طرح گزاریں۔زندگی اگر رونے کی ہزار وجوہات پیش کرے تو آپ ہنسنے کی دس ہزار

www.novelsclubb.com

ریزنزڈھونڈیں۔ غم ہیں تو خوشیاں بھی ہیں۔ایک چیز کو اپنی ذات کا حصہ مت بنائیں۔ کسی ایک غم کے پیچھے اپنی ذات کو مسخ کرنا پوری زندگی کو اپنے پیروں تلے روندنے کے برابر ہے۔

کشادہ کمرے میں، سفید دیواریں، ہلکے بھورے رنگ کی کھڑکیوں پر دھاری دار سفید اور بھورے رنگ کے پردے گرے تھے۔کمرے میں کئی پینٹنگز لگی تھیں۔ایک تصویر میں جو بڑے سے بیڈ کی سامنے والی دیوار پر نصب تھی۔پانچ لوگ ہنس رہے تھے۔

پینٹنگ کو ارڈریپٹک تھی۔ ایسی تصویر جو "چار حصوں میں بٹی ہوئی ہو اسے کواڈریپٹِک (Quadriptych) کہا جاتا ہے

پہلا خانہ زندگی کا خوبصورت لمحہ اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔فوٹو گرافر نے یقیناً اس تصویر کو بناتے ہوئے رشک سے کہا ہوگا۔زندگی خوبصورت ہے۔

ایک خانے میں ایک مرد ایک عورت کے کاندھے پر ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔مان، محبت، تحفظ سب کا منہ بولتا ثبوت تھی یہ تصویر۔عورت مرد کی طرف آنکھوں میں دنیا بھر کا پیار سموئے

منہمک سی دیکھ رہی تھی۔ایک مکمل تصویر۔اس کائنات کا خوبصورت ترین منظر پیش کر رہی تھی۔

دوسرے خانے میں زندگی کے خوبصورت ترین رنگ مضمر تھے۔یہ خوشگوار تعلقات کی بہترین عکاسی کر رہا تھا۔

دوسرے خانے میں وہ تین تھے۔اب مرد کی گود میں ایک بچہ تھا۔وہ ہنس رہے تھے۔وہ زندگی سے مطمئن نظر آرہے تھے۔زندگی سے مطمئن بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔وہ بھی انھیں نایاب لوگوں میں سے لگ رہے تھے۔

تیسرے حصے میں زندگی اپنی خوبصورتی میں چاشنی بھر بھر کر ہر طرف بکھیر رہی تھی۔اب وہ تین سے چار ہو چکے تھے۔خوشیوں کے لمحات نہار ہو چکے تھے۔

تصویر کے چوکھٹے میں بنے تیسرے خانے میں وہ اب تین سے چار ہو چکے تھے۔ایک بچہ باپ کے کاندھوں پر ٹانگیں پھیلائے ہوئے منہ میں انگھوٹا دیے ہنس رہا تھا۔مرد کے پہلو میں ایک عورت کھڑی تھی۔عورت کی گود میں ایک بچی باپ کو دیکھ رہی تھی۔بچی کی آنکھوں میں

زمانے بھر کا پیار سمٹا ہوا تھا۔ عورت مسکراہٹ سے بھرپور چہرہ لیے بچی کے گال پر بوسہ دے رہی تھی۔ یہاں زندگی مکمل تھی۔ یہاں سکون تھا۔

تصویر کے چوکھٹے پر چوتھا خانہ ہر شے سے زیادہ حسین تھا۔ قربت کے لمحات میں بنائی گئی یہ تصویر اکثر تنہائی کی رات میں آنکھوں کو ماضی کے خوشگوار لمحات سے سجا دیتی ہے۔

آخری حصے میں دو بچے بڑے ہو چکے تھے۔ ایک کے بال لمبے اور ایک کے بالکل چھوٹے تھے۔ چھوٹے بالوں والا بچہ نکر اور آدھے بازوؤں والی سرخ شرٹ میں ملبوس تھا۔ بڑے بالوں والی لڑکی سفید فراک پہنے اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھرے کچھ کہہ رہی تھی۔ مرد اور عورت اب ایک صوفے پر بیٹھے تھے۔ مرد کی گود میں ایک بچہ تھا۔ عورت کے سامنے کھڑے لڑکے نے ایک ہاتھ بچہ کے گال پر رکھا ہوا تھا۔ وہ تصویر بلاشبہ ایک پرفیکٹ فیملی کی عکاسی کر رہی تھی۔ ایک ہیپی فیملی کے پرسکون لمحات کو خاموشی زبان میں محبت کے ترجمے میں دل کی زبان میں، ہواؤں کے بن کہے نغمات میں بیان کر رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

اس تصویر کو یہیں چھوڑ کر کمرے کے دائیں کونے میں ایک شیلف کے پیچھے جس پر کئی کتابیں ہزاروں رنگ لیے ہر رنگ کی عکاسی کرتے ہوئے قطار در قطار سجی تھیں۔ایک عورت سفید ڈوپٹہ اوڑھے سرخ رنگ کے مسلے پر بیٹھی دعا کے لیے رب کے حضور ہاتھ پھیلائے ہوئے تھیں۔اس کی آنکھوں سے آنسو ایسے بہتے تھے جیسے سمندر سے لہریں باہر پانی پھینکتی ہیں۔پتلے ہونٹ آہستہ، آہستہ گڑگڑا رہے تھے۔اس کی آواز کمرے کی خاموشی کو توڑ رہی تھی۔دیواروں سے ٹکرا کر ارتعاش پیدا کرنے والی واحد آواز دعا کی تھی۔دیواریں یہ آواز جذب نہ کر سکیں۔یہ آواز نہیں تھی۔دعا آواز نہیں پکار ہوتی ہے۔جسے کوئی دیوار اپنے اندر جذب نہیں کر سکتی۔کیونکہ دیواروں میں دعاؤں پر قابو پانے کی ہمت نہیں ہوتی۔دعاؤں کی طاقت آسمانوں کو چیر دیتی ہے۔تو دیواروں اور گھر کی چھتوں سے کہاں رک سکتی ہے۔یہ اپنے رستے میں آنے والی ہر شے کو چیرتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچ کر رب کے حضور اپنے فریادی کی فریاد پیش کرتی ہے۔اللہ کسی کی فریاد نہیں ٹھکرایا کرتا۔یہاں تک فریاد کرنے والا سچے دل سے اللہ کو پکارتا ہو۔عمر رسیدہ عورت دعا مانگ چکی تو ہاتھ منہ پر پھیر کر مسلہ اٹھاتی ہوئی اٹھ گئی۔

"مانگنے والے کا کام تو بس دینے والے سے فریاد کرنا ہے۔دینا تو دینے والے کی عطا ہوتی ہے۔ چاہے تو پکار سن لے اور سوالی کی جھولی میں خوشیوں کی بہتات کر دے۔چاہے تو اسے انتظار کے لیے صبر کی دیوار پر چھوڑ دے۔میرے بس میں مانگنا تھا اللہ۔میں نے مانگ لیا۔تیرے بس میں سب ہے۔تجھے ہر اختیار ہے۔چاہے تو عطا کر دے۔چاہے تو کن کے فیکون کے انتظار میں صبر کی آزمائش دے دے۔میرے اختیارات دعا تک ہیں یا اللہ۔میرے اختیار محدود ہیں۔تیرے اختیار کن سے فیکون ہیں یا اللہ۔تیرے اختیار لامحدود ہیں۔میرے بس میں بس دعا ہے۔اور تیرے بس میں سب ہے۔مجھ پر رحم کر اللہ۔اس آزمائش سے مجھے نجات عطا کر۔میری دعاؤں کو قبولیت کی گھڑی نصیب کر۔" وہ جائے نماز تہ کر کے شیلف سے سفید رنگ کا قرآن اٹھائے جس کے ورق پر سنہری نقش و نگار بنا تھا۔ہاتھ میں تھامے سینے سے لگائے۔ایک بار پھر دعا کر رہی تھی۔وہ ایک بار پھر رو رہی تھی۔

"ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے۔" یہ یونہی نہیں کہہ دیا گیا۔جنت کو حاصل کرنے کے لیے انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔کتنی خواہشات کو اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑ کر دل کی دنیا کو مار کر جنت کے حصول کے قابل بنتا ہے۔عیش و عشرت کو چھوڑ کر دنیا کی سفاکیت کی بھٹی میں جل کر

کندن بنتا ہے۔تب جا کے کہیں خود کو جنت کا حق دار کہلواتا ہے۔اس وقت بھی اسے خوف محسوس ہوتا ہے۔کہ کہیں وہ کسی غرور میں تو نہیں پڑ رہا۔کہیں اس کے اندر دنیا کی کوئی لغزش تو نہیں باقی۔کہیں وہ اپنے اپنے رب سے کسی سرکشی کی بدولت دور تو نہیں ہو رہا۔اس سفر میں جتنی سادگی اس سے کہیں زیادہ امتحانات کی گھڑیاں ہیں۔جب جنت کے حصول کے لیے انسان کو ان گنت امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے۔کسی کو آگ میں، کسی کو تپتی ریت پر اور کسی کو سمندر میں اترنا پڑتا ہے۔تو پھر ماں کو کیا کرنا پڑا کہ جنت اس کے قدموں میں رکھ دی گئی۔ماں کو جو کرنا پڑا وہ شاید پوری کائنات میں کسی نے نہیں کیا ہو گا۔جتنا درد ماں کو سہنا پڑتا ہے۔اتنی تکلیف یقیناً کسی نے نہیں دیکھی ہو گی۔ماں کی تکلیف بچے کے اس کی کوکھ(mother's womb)میں آنے سے شروع ہوتی ہے۔اور وہ اس درد میں گور(grave)میں اتر جاتی ہے۔بچہ ماں کے جسم کا حصہ ہوتا ہے۔اسے ذرا برابر بھی تکلیف پہنچے تو ماں کا پورا جسم تکلیف سے کراہ اٹھتا ہے۔وہ ساری عمر اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر اپنی پوری زندگی بچے پر دان کر دیتی ہے۔بنا کسی معاوضے کے۔بنا کسی مزدوری کے مزدور سے زیادہ کام کرتی ہے۔دنیا میں اگر کسی نے سب سے عظیم قربانی دی ہے تو وہ ماں ہے۔ماں کی قربانی کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔

^_____^))

وہ کمرے کی کھڑکی میں ہر شے سے بے نیاز کسی خیال میں کھڑی تھی۔ کھڑکی سے ملحقہ بالکنی سے شام کی سرد ہوا کے اداس تھپیڑے اس کے وجود کو منجمد کر رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے دلکش تھپیڑے بالکنی میں رکھے پودوں کے پتوں کو رقص کرنے پر اکسا رہے تھے۔ نیچے بہتی سڑک سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ شام اب بوسیدہ ہو چکی تھی۔ آسمان پر پرندوں کا ایک غول اپنے آشیانے کی طرف ہجرت کر رہا تھا۔ سڑک پر کھیلتے بچوں کے ہنسنے کی آواز وسعت آسماں، ٹھنڈی ہوا اور ان رقص کرتے پودوں پر موسیقی کا کام کر رہی تھی۔ وہ کھڑکی کی سل پر رکھے منی پلانٹ money plant کے پتوں کو چھو رہی تھی۔ دل کی شکل کے چمکدار ہلکے سبز رنگ کے یہ پتے نہایت خوبصورت لگ رہے تھے۔ پتوں پر کہیں، کہیں پیلے، پیلے دھبے تھے۔ glass pots میں کھڑکی کی سل پر چار سے پانچ پودے قطار میں رکھے تھے۔

اسے پودوں سے لگاؤ تھا۔اس گھر کے سارے کونوں میں پودے رکھے تھے۔ہر دیوار پر جہاں بھی کوئی جگہ ملتی وہ پودا لگا دیتی تھی۔پھر بچوں کی طرح ان پودوں کا خیال رکھتی۔کھڑکی کی سل پر ہاتھ جمائے وہ بالکنی کی ریلنگ پر نظر جمائے۔کہیں دور کسی منظر میں گم ہو گئی تھی۔بال گیلے اور کھلے ہوئے تھے۔ڈوپٹہ دور بیڈ پر پڑا تھا۔ڈھیلی ڈھالی سرمئی رنگ کی شرٹ کے نیچے ٹراؤزر پہنے وہ کسی پینٹنگ کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔یہ کسی بھی مصور کے لیے گولڈن چانس تھا۔اپنی مصوری کو آزمانے کا۔اس سے بہت خوبصورت منظر شاید ہی دنیا میں کہیں ہو۔

اداس چہرہ،روئی آنکھیں،سرخ پڑتی ناک،رگڑ رگڑ کر خون کیے ہوئے گال اور رخساروں پر آنسوؤں کے مٹے،مٹے نشان اور نومبر کے آخری دنوں کی ٹھنڈی ہوا سے کھڑکی میں کھڑی اس مورت کے اڑتے بال ایک مکمل شاہکار تھے۔

(اس کا ٹرامااب اپنا اصلی رنگ اختیار کر چکا تھا۔جب ماضی کی یادیں شدید انداز میں حملہ آور ہوں ۔تو اسے **flash back** کہا جاتا ہے۔)

www.novelsclubb.com

بالکنی کی ریلنگ پر ماضی کی دردناک یادوں کی movie سکرین کے چوکھٹے پر کسی پرانی فلم کی طرح چل رہی تھی۔وقت کی سوئیوں کو پیچھے گھما کر۔باب دہر کے پرانے دروازے کو کھول کر ۔موجود حالت کو یہیں چھوڑ کر اگر تم دیکھ پاؤ تو دیکھو کنزہ کی آنکھیں کس منظر کو دیکھ رہی ہیں۔

ایک خوبرو سامرد ایک ایک نازک اندام سی،پروقار عورت کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہا تھا۔وہ دونوں دو جہانوں کے مختلف کردار مگر مکمل شاہکار تھے۔اطرافِ میں سبزہ ہی سبزہ تھا ۔عورت کے لمبے ریشمی بال کمر پر گرے ہوئے تھے۔سیاہ رنگ کے لونگ کوٹ پر کشمیری ٹوپی سر پر سجائے وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کسی بات پر قہقہہ بلند کر رہے تھے۔دور، دور تک پھیلے پہاڑوں میں ان کی ہنسی کی آواز گونجتی اور واپس پلٹ آتی۔اب وہ دونوں کسی پہاڑی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

(شادی کسی بھی شخص کی زندگی کا اہم ترین جز ہوتی ہے۔ایک انسان کے ساتھ اگر برے تعلقات ہوں تو ایک وقت میں اس کے ساتھ حسین لمحات بھی گزارے ہوتے ہیں۔کسی رشتے میں اگر کوئی رویا ہو تو وہ ہنسا بھی ہوتا ہے۔شادیوں میں اچھے اور برے دونوں طرح کے

تعلقات ہوتے ہیں۔ٹوکسک شادیاں اکثر نہیں نبھ پاتی۔لیکن ان شادیوں میں اچھے تعلقات پارٹنرز کا اچھا وقت ضرور ہوتا ہے۔اگر کسی کی ٹوکسک شادی سے بری یادیں جڑی ہوں تو۔اسی شادی سے اچھی یادیں بھی جڑی ہوتی ہیں۔لوگوں کو لگتا ہے کہ صرف بری یادیں مسخ شدہ شادی میں اذیت دیتی ہیں۔مگر ممکنات میں سے ہے کہ بری یادوں سے زیادہ اچھی یادیں اذیت ناک ہوتی ہیں۔بری یادیں ایک وقت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔زخم بھر جاتے ہیں۔مگر اچھی یادیں نہیں بھولتی۔وہ جب یاد آتی ہیں تو مزید اذیت دیتی ہیں۔)

مرداس کی ناک کو کھینچ رہا تھا۔عورت منہ بناتے ہوئے اسے مکہ مار رہی تھی۔وہ ہنس رہا تھا۔وہ اسے مصنوعی غصے سے دیکھ رہی تھی۔زمین کی وسعت پر پھیلے بڑے بڑے پہاڑ ان کی زندگی پر رشک کر رہے تھے۔اب وہ مرداس کی ٹوپی کو اتار کر بھاگ رہا تھا۔عورت کے سارے بال کاندھے اور منہ پر بکھر گئے تھے۔وہ غصے میں بڑبڑاتی ہوئی آنکھوں کے سامنے سے بالوں کو ہٹا رہی تھی۔اب وہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔وہ ہنستا ہوا،ٹوپی کو ہوا میں لہراتا آگے آگے بھاگ رہا تھا۔عورت تھک کر بیٹھ گئی۔مرداس کی طرف پلٹ آیا۔اب وہ مکوں سے اس کے سینے کو پیٹ رہی تھی۔وہ ہنس،ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔سخت دل پہاڑ ان کی خوشیوں پر شکر

www.novelsclubb.com

کا نغمہ گا رہے تھے۔دور چوٹیوں پر پھیلی برف ان کی ہنسی کی آواز سے پگھل رہی تھی۔مدھم ہوا گھاس کو رقص کے لیے اکسا رہی تھی۔پھر یہ منظر غائب ہونے لگا۔

(اس معاشرے میں عورت کی سب سے بڑی خواہش "اچھی" شادی ہوتی ہے۔اچھی شادی صرف محبت سے نہیں نبھائی جاتی۔اچھی شادی میں سر فہرست جو سب سے اول شے ہے وہ "عزت" ہے۔محبت کے بغیر شادیاں چل جاتی ہیں۔عزت کے بغیر کوئی گھر نہیں بستا۔اپنے بچوں کی شادی کرنے سے پہلے انھیں عزت کرنا سیکھائیں۔)

ریکنگ پر ایک اور movie چلنے لگی۔

رومانی فلم اب horror picture میں بدلنے لگی۔وہ دلکش عورت اسی خوبرو مرد کے ساتھ ایک کمرے میں اس کے رُوبرو کھڑی تھی۔مرد اس پر چیخ رہا تھا۔وہ اس کے اس جارحانہ انداز سے سہم گئی تھی۔وہ اپنی جگہ پر قراقرم کے برف کی طرح جم گئی تھی۔اس کی ساری انرجی کسی پیراسائیٹ parasite نے نگل لی تھی۔اسے پہلی بار اپنے محافظ سے خوف محسوس ہوا۔اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔اسے کسی نے بتایا ہی نہیں تھا۔کہ

جب پہلی بار تمہیں تمہارے ہی guardian سے خوف محسوس ہو تو کیا کرنا۔ وہ پہلی بار اپنے ہی کمرے میں اپنی ہی محفوظ پناہ گاہ میں خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اسے سامنے کھڑے اس شخص سے، اس کی ذات سے، اس کے بڑے سارے وجود سے وحشت ہوئی۔

(اپنے بچوں کو سکھائیں کہ انھیں کس موقع پر کیسے ری ایکٹ کرنا ہے۔ معاملات چیخ و پکار سے حل نہیں ہوتے۔ انھیں بتائیں کہ صبر کسے کہتے ہیں۔ ان کی حدود کہاں تک ہے۔ کس انداز میں کب، کہاں اور کیسے بات کرنی ہے۔ کس رشتے کو کیسے نبھانا ہے۔ کس کردار کو کس طرح ادا کرنا ہے۔ کسی بھی رشتے میں ان کی اہمیت کتنی ہے۔ انھیں اپنی ذات کو اپنے پارٹنر کے ساتھ کتنا اور کہاں تک **share** کرنا ہے۔)

www.novelsclubb.com

ریکنگ پر اب ایک اور سین چل رہا تھا۔ ایک اور جھگڑا ہو رہا تھا۔ یہ اس کپلز کا دوسرا جھگڑا تھا۔ اب کی بار بات چیخ و پکار تک نہیں رہی تھی۔ اب وہ خوبرو سا مرد زبان سے آگے بڑھ گیا تھا۔ جب زبان نہ روکی جائے پھر بات ہاتھ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ بات ہاتھ تک پہنچے سامنے والی کی زبان کو اس کی حدود دیکھا دیں۔ نظروں کے پردے پر چلنے والی فلم میں تشدد تھا۔

اذیت ہی اذیت تھی۔ کرب، درد، خود ترسی۔ سکرین پر کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ مرداب لڑتے جھگڑتے ہوئے باہر جا چکا تھا۔ وہ ڈھے گئی تھی۔ اس دن وہ پروقار سی لڑکی ایک ڈری، سہمی، وحشت زدہ عورت بن گئی تھی۔ اس دن درد صرف دل و دماغ تک نہیں رہا تھا۔ اس دن اس نے اپنے گالوں پر گرم گرم تیل کو گرتے ہوئے محسوس کیا۔ اس کا دل پھٹنے کو تھا۔

اس کی سانسیں پھولنے لگیں۔ وہ مزید نہ دیکھ سکی۔ ریکنگ پر چلتی سکرین ایک جھماکے سے بجھ گئی۔ نومبر کی خنکی بھری ہوا میں بھی اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ اس کا ٹراما واپس پلٹ آیا تھا۔ خوف ٹراما کی غذا ہے۔ اسے جب بھی غذا ملے یہ فوراً سے بیشتر اپنے اثرات ظاہر کر دیتا ہے۔ سر فہرست اس کے اثرات میں خوف، ماضی کے ناخوشگوار واقعات، ذہنی اذیت شامل ہیں۔

عین ممکن ہے کہ انسان جسمانی سزا کو بھول جائے۔ لیکن mental torture ایک ایسی نفسیاتی بیماری پیدا کر دیتا ہے۔ جو بھول جانے کے باوجود لاشعور کا حصہ بنے رہتی ہے۔ ذہن اپنی اذیت کو کبھی نہیں بھولتا۔ یہ وقت کے ساتھ کم ہو سکتی ہے۔ لیکن مکمل کبھی بھی ختم نہیں ہوتی

www.novelsclubb.com

۔کسی کو اس نفسیاتی مریض بنا دینے والا سب ہو سکتا مگر وہ انسان نہیں ہو سکتا۔انسان حیوانوں والے کام سر انجام نہیں دیتے۔انسان میں انسانیت ہوتی ہے۔تو وہ انسان ہوتا ہے۔اس پہلے وہ بس ایک آدمی ہوتا ہے۔انسان بننے کے لیے بڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔

"یا اللہ یہ زندگی اتنی اذیت ناک کیوں ہے۔یہ مشکلوں کا انبار میرے سر پر ہی کیوں آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔میں ہی کیوں اللہ۔آخر ہر بار اذیت،درد،کرب،ملال،حزن،ہیجان،خوف، وحشت دلرفتگی مجھ پر ہی کیوں آن پڑتی ہے۔ہر بار زندگی میرا امتحان ہی کیوں لیتی ہے۔"وہ کھڑکی کے سہارے بیٹھتی چلی گئی۔وہ ایک بار پھر ڈھتی چلی گئی۔ایک بار پھر اس کا امتحان تھا۔وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے ہچکیاں لے،لے کر رونے لگی۔وہ اللہ سے ایک ہی شکوہ کرتی رہی۔کہ ہر بار صرف وہی کیوں۔دنیا بھری پڑی ہے لوگوں سے پھر اذیتیں اس کے مقدر میں کیوں لکھ دی گئی ہیں۔اسے ہی کیوں آگ کے اس دریا میں کودنا پڑتا ہے۔

آزمائش سب کے لیے ہے۔مشکلات سب پر آتی ہیں۔یہ ہم ہیں جن کو لگتا ہے۔کہ اللہ صرف ہم پر امتحانات کا انبار مسلط کر دیتا ہے۔اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔وہ جس سے

www.novelsclubb.com

زیادہ محبت کرتا ہے۔اسے زیادہ مشکلات میں ڈالتا ہے۔تاکہ اس کے صبر کو آزما سکے۔جسے صبر آجائے پھر اس کے صبر کی بھی آزمائش ہوتی ہے۔کامیاب صرف وہی ہے۔جو ثابت قدم رہنے والا ہو۔ایسے میں اللہ سے لاتعلقی نرا خسارہ ہے۔لاتعلقی سے شکوہِ حد درجہ بہتر ہے۔کم از کم کوئی تعلق، کوئی امید تو اللہ سے لگی رہتی ہے۔شکوہ کر لینا تعلق سے استعفیٰ دینے سے بہتر ہے۔

(⊙。⊙)!→

سفید رنگ کی گاڑی ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی عمارت کے سامنے آکر رکی۔عمارت دور، دور تک پھیلی ہوئی تھی۔کرمزی رنگ کی عمارت چھوٹے، بڑے بلاکس میں تقسیم کی گئی تھی۔

عمارت کے سامنے وسیع پیمانے پر ایک بہت بڑا میدان تھا۔جس میں جابجا بن باس کے باسیوں کی طرح ہزاروں طلباء و طالبات مختلف برینڈ کے مختلف طرز کے لباس پہنے گھوم پھر رہے تھے ۔دور سے دیکھنے سے یوں لگتا تھا۔جیسے کوئی میدان میں بہت سارے انواع اقسام کے رنگ بکھیر دیے ہوں۔کوئی ٹولیوں کی صورت میں سامنے سے آتی لمبی سڑک پر قہقہے لگاتے ہوئے،

چھیڑ خانیاں کر رہا تھا۔ تو کوئی موبائل ہاتھ میں پکڑے آنکھیں سکڑائے گردن موبائل کی سکرین میں گھسائے ہوا تھا۔ کوئی دور کسی درخت کے زندگی کے سانسار کا مطالعہ کرنے میں غرق تھا۔

دروازہ کھلا اس نے ایک پیر جس میں کچھ سفید اور کچھ سنہری کام والا خسہ پہنا ہوا تھا زمین پر رکھا۔ اب وہ دوسرا پیر رکھ رہی تھی۔ وہ کار سے باہر نکلی تو لوگوں نے گردن پھیر، پھیرا سے دیکھا۔ سر پر سفید ڈوپٹہ سجائے۔ سفید لباس میں وہ پرستان کی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ سر پر رکھا ڈوپٹہ اس نے ہاتھ سے درست کیا جو قدرے پیچھے کو سرک گیا تھا۔ ڈوپٹہ اس کے وجود کو مزید پر وقار بنا رہا تھا۔ اب وہ کار کے دروازے پر جھکی اندر سے بیگ اور کچھ فائلز اٹھا رہی تھی۔ اس نے اپنے بابا کو وہیں ٹھہرنے کے لیے کہا اور خود یونیورسٹی کے مین بلاک کی طرف بڑھ گئی۔ سینیئرز دیکھ کر فوراً پہچان گئے کہ وہ نئی ہے۔ اب وہ اس پر کمنٹس پاس کر رہے تھے۔ کوئی نئے آنے والوں کی بلی کرنے کا سوچ رہا تھا۔ کوئی اپنا پلان بتا رہا تھا۔ لڑکیاں اس کی ڈریسنگ کو داد دے رہی تھیں ۔کچھ اس کے ڈوپٹے پر منہ بنا رہی تھیں۔ کسی نے کہا کہ "اتنے modern era میں بھی بھلا پینڈوں کی طرح ڈوپٹہ لینے کی کیا ضرورت تھی۔ سارا dress scene خراب کر دیا۔"

www.novelsclubb.com

وہ ٹھہر گئی۔اس نے مڑ کر پیچھے کھڑی لڑکیوں کی ٹولی کو دیکھا۔جس میں دو لڑکے بھی شامل تھے ۔برائے نام۔اسے یہ کمنٹ ہضم نا ہوا۔اور فوراً سے پہلے کہ دیا"ڈوپٹہ modernity کا symbol ہے مادام۔میں کہنا نہیں چاہتی مگر جو آپ کی sensedress ہے نا۔وہ کافی پرانی ہے۔اس طرح کے ڈریس لوگ دور جاہلیت میں پہنتے تھے۔"لڑکی کے منہ پر کسی نے بھری یونیورسٹی میں جیسے طمانچہ مار دیا ہو۔اس نے اپنے ڈریس کی طرف دیکھا۔اس نے sleeveless crop top کے نیچے high waisted jeans پہنی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے اور کہیں نہ کہیں شرمندگی سے تمتمانے لگا تھا۔سڑک پر آتے جاتے طلباء نے اس کی عزت سے بھرپور بے عزتی پر دبی دبی ہنسی ہنسی۔اس نے کچھ غلط کہنے کے لیے چہرہ اوپر کیا تو وہ جہاں کی تہاں جا چکی تھی۔اس نے منہ میں اسے گالیاں نکالیں۔اور اپنے بے ڈھنگے گروپ کو دیکھا۔جو ابھی تک ہنسی دبائے ہوئے تھا۔ان کے چہرے سرخ ہوئے جا رہے تھے۔ وہ ہنس پڑے اور وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے کھسک گئی۔

"کسی بھی انسان کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کے کردار پر،رنگ پر، نقوش پر چھوٹے قد پر،دبلے ہونے پر،موٹے ہونے پر یا پہناوے پر انگلی اٹھائے۔پر فیکشن کہیں نہیں

ہے۔سوائے اللہ کی ذات کے۔اللہ پرفیکٹ ہے۔اس کے علاوہ ہر شے میں ہزار خامیاں ہیں۔ دوسروں پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنی گریبان میں جھانک لیا کریں۔جو جگہ، جگہ سے قابل مرمت ہے۔جب آپ اپنے گریبان میں جھانکیں گے تو آپ کی ہمت نہیں ہو گی۔کسی کا مزاق بنانے کی۔آئیندہ کسی کا مذاق بنانے سے پہلے سوچ لیجئے گا۔کہ آپ کے اپنے گریبان میں کپڑا پورا لگا بھی ہے یا نہیں۔"وہ کون تھا۔کیا کہہ رہا تھا۔اس چھوٹے کپڑوں والی لڑکی کو بالکل بھی سمجھ میں نہیں آئی۔وہ بت بنی اسے دیکھ رہی تھی۔اگر اس کا دماغ کچھ پروسیس کر پا رہا تھا۔تو وہ تھی insult۔ہاں وہ اس کی بے عزتی کر رہا تھا۔نہیں، نہیں اس نے دوبارہ سے اس کی باتوں پر غور کیا۔مگر دماغ ایک ہی سگنل دے رہا تھا۔کہ وہ تمہاری insult کر نہیں رہا کر گیا ہے۔

www.novelsclubb.com

"مستقبل میں اگر آپ کو کوئی نیک خیال آئے تو اس شاندار بے عزتی کو یاد کر لیجیے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"وہ دور سے پکار رہا تھا۔وہ نفیس سا شخص اسے اچھا لگا تھا۔اب لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔اسے اس کی باتیں بری لگیں تھیں۔یا پھر وہ کسی اور کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔یہ برا لگا تھا۔فرق کرنا ذرا مشکل تھا۔مگر اس کے چہرے پر پھیلی مسکان اس بات کی

گواہی دے رہی تھی۔ کہ اسے وہ سیاہ آنکھیں اور وہ خوبصورت آواز بہت اچھی لگی تھی۔ایک دم دل پر لگی تھی۔وہ اسے دیکھتی رہی۔وہ اب لمبے، لمبے ڈگ بھرتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ مین بلاک کے داخلی دروازے میں قدم رکھ رہی تھی۔جب وہ ہانپتہ ہوا۔اسی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ساری دنیا تھم گئی۔اس کا سانس جہاں کا تہاں رہ گیا۔وہ پلکے جھپکنا بھول گئی تھی۔وہ بھی اسی انداز میں اسے دیکھے گیا۔وہ قدم اٹھاتی رہی۔وہ اس کے ساتھ چلتا رہا۔

تمہارے لیے محبت کیا ہے۔؟اس کی سماعتوں میں کچھ گونجا۔

"مجھے زندگی سے محبت ہے۔اور میرے لیے زندگی۔۔۔۔زندگی تم ہو۔"وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے ذہن کے پردوں پر زور، زور سے کہ رہا تھا۔

کیا تمہیں کوئی چھوڑ سکتا ہے۔"

دعا بڑھتے قدموں میں اس کی سماعتوں میں ایک اور آواز گونجی۔

"یقین مانو میں جینا نہیں چھوڑ سکتا۔"

www.novelsclubb.com

اس کے دل سے ایک اور صدا بلند ہوئی۔لوگ گزرتے رہے۔وہ قدم بڑھاتے رہے۔

"مگر تم۔۔۔تم نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔"مورنی سی آنکھوں سے ایک آنسو لڑھک کر فرش بوس ہو گیا۔

"میں چاہتا تو بھی تمہیں نہ روک پاتا۔ہر چیز مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی۔"اس کے دل نے ایک اور صدا بلند کی۔اس کے کانوں میں اذان کی طرح گونجی۔

"تم ایک بار آواز تو دیتے میں ہر پکار کو رد کر کے تمہاری سنتی۔"وہ اس کی طرف آنکھوں میں زمانے بھر کا بوجھ لیے دیکھ رہی تھی۔

"میں آواز دے ہی نہ سکا۔چاہ کر بھی نہیں دے سکا۔زندگی نے مجھے عجیب موڑ پہ لا کھڑا کیا تھا۔"وہ سفید شرٹ کے نیچے سیاہ جینز پہنے کسی سحر زدہ فسوں کے زیر اثر اس کے قدموں سے قدم ملائے چل رہا تھا۔درمیان سے کون گزر رہا تھا۔کون وہیں ٹھہر کر پیچھے مڑ کر اپنی ساتھی کو کھوج رہا تھا۔انھیں کچھ بھی معلوم نہ پڑتا تھا۔

"تم ایک بار مجھے بتاتے۔ تم کہتے تو میں خود تمہیں چھوڑ دیتی۔ بنا کچھ پوچھے۔ بنا ایک لفظ کہے۔ مگر۔۔۔ مگر تم نے۔۔۔۔ وہی کیا۔۔۔۔۔۔۔۔ جو تم کرنا چاہتے تھے۔۔۔۔ تم نے اچھا نہیں کیا ۔۔۔۔۔ بالکل بھی اچھا نہیں تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔" آنسو اب اس کی آنکھوں سے روٹھ گئے۔ وہ آنکھوں کے ساحل پر بیٹھے رہے۔ مگر سمندر کی حدود پار نہ کر سکے۔

"کبھی کبھی زندگی کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں دیتی۔ لفظوں کے سلطان سے زندگی نے حروف چرا لیے تھے۔ مجھے لفظ بنانے ہی نہیں آئے۔" وہ بھی یوں ہی دلیلیں دیتا رہا۔ دلائل جیسے اس کے باپ کی میراث تھے۔

"اب کبھی لوٹ کے مت آنا۔ بخدا کبھی مت پلٹنا۔ میں خدا سے دعا کروں گی۔ کہ تم پلٹ آؤ۔ اور پھر کہوں گی وہ تمہیں اتنا مجبور اور بے بس کر دے کہ تم کبھی چاہنے کے باوجود بھی نہ لوٹ سکو۔" ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں، دل کے زخموں کی چُبھن، شب بے خوابی کیا نہیں تھا وہاں۔

اس کے دل نے اس کی دعا سے بھری بد دعا کو سن لیا۔ اسے لگا جیسے کسی نے کڑھائی میں ابلتا تیل اس کے سارے وجود پر ڈال دیا ہو۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا۔ وہ کیا کر چکا تھا۔ اسے لگا واپسی ممکن ہو گی۔

اسے نہیں پتہ تھا۔جو خود دروازے بند کر دیں۔ان کے لیے ساری کھڑکیاں بھی بند ہو جاتی ہیں

۔

وہ ہوش میں تب آئی جب وہ کسی کے کاندھے سے ٹکرائی۔اس نے سامنے دیکھا۔وہ کتنا راستہ طے کر آئی تھی۔اسے محسوس بھی نہیں ہوا۔سامنے ہی سیڑھیاں تھیں۔

اب وہ سیاہ بالوں والا لڑکا کسی سے کچھ پوچھ رہا تھا۔اس کے سامنے کھڑا لڑکا راہداری کے ایک طرف لگے۔ گرین کلر کے بورڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔وہ اب اسے شکریہ کہتا ہوا۔اسی طرف بڑھ گیا۔اس نے آنکھیں رگڑیں اور اس کے پیچھے، پیچھے چلنے لگی۔وہ اب سبز رنگ کے بورڈ پر لگی lists پر شہادت کی انگلی سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔لسٹ پر ہزاروں نام درج تھے۔اس کی انگلی ایک نام پر رکی۔ساتھ ہی وہ بھی ایک لسٹ پر اپنا مطلوبہ کمرہ تلاش کر رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"یہ۔۔۔یہ ہے آپ کا روم نمبر ایک سو بیس" وہ آنکھوں میں منت لیے کہا رہا تھا۔اس کی زبان کچھ اور، آنکھیں کچھ اور کہتی تھیں۔وہ ایک آدمی دو مخالف سمتوں میں دوڑ رہا تھا۔

"جی شکریہ" اس نے بالکل کسی اجنبی کی طرح ری ایکٹ کیا۔سامنے کھڑا وجود دنگ رہ گیا۔

"جی"۔اس کی زبان سے بس اتنا ہی نکل سکا۔شاک، قلق، لق دق سب اس کے سینے پر ایک ساتھ وارد ہوئے۔

وہ ایک عمر جسے جاننے میں لگائی تھی۔۔۔۔وہ ایک پل میں اجنبی ہو رہی تھی۔۔۔نہیں اسے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔وہ محبت کا نہ صحیح وہ عداوت کا رشتہ تو رکھتی۔وہ جان جاں تھی۔ وہ عذاب دل کیوں بن گئی تھی۔اس نے تو یہ نہیں سوچا تھا۔اسے لگا تھا۔وہ "بعد" میں سب ٹھیک کر لے گا۔اسے کیا پتہ "بعد" کبھی "بعد" میں بھی نہیں آتی۔اس کا دل چاہا یونیورسٹی کی سب سے بلند بلڈنگ پر کھڑا ہو کر کہے "تم کبھی بھی کسی بھی کام کے لیے بخدا "بعد" کا انتظار مت کرنا کیونکہ "بعد" کبھی "بعد" میں بھی نہیں آتی۔"

www.novelsclubb.com

وہ راہداری میں کھڑا دل پر صدیوں کا بوجھ لیے، جسم میں کوئی چبھن لیے کھڑا رہا۔وہ اب ڈوپٹہ کو ہاتھ سے درست کرتی اوپر سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھی۔وہ وہیں کھڑا تھا۔شل، ساکن، جامد۔وہ چلی گئی۔وہ کھڑا رہا۔اس کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔

"میں ایک بار چلی گئی تو واپس نہیں آؤں گی۔"

اس کا دل چاہا ہر ٹیسٹ کو چھوڑ بس بھاگ جائے یہاں سے۔ کہیں دور، بہت دور جہاں، جہاں سب ہو بس اس کی یاد نہ ہو۔

"مجھے سوچ سمجھ کر کھونا، کیونکہ میں وہ چانس ہوں جو زندگی میں ایک بار ہی ملتا ہے۔"

وہ زور، زور سے ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ اس کی بات سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اسے لگا تھا۔ وہ اس کے الفاظ ہیں۔ کہے گا گردن جھکائے سر ہلاتے رہیں گے۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ چلی گئی تو واپس نہیں آئے گی۔ اب وہ آخری سیڑھی پر تھی۔ وہ یوں ہی قدم اٹھاتا گردن اوپر کیے اسے دیکھتا رہا۔ وہ نہیں پلٹی۔ اسے پلٹنا آتا ہی نہیں تھا۔

"زندگی میں ہم بعض فیصلے بہت دیر سے کرنے کے باوجود بہت برے کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ فیصلے ہم خوف کی آڑ میں کرتے ہیں۔ ایسے فیصلے جو کسی خوف کی وجہ سے کیے جاتے ہیں۔ وہ بس فاصلے پیدا کرتے ہیں۔ اپنے فیصلوں کو کبھی بھی کسی خوف کی وحشت میں آکر مت کرنا۔ خوف میں کیے گئے فیصلے۔ زندگی میں بڑے پیمانے پر خسارے لاتے ہیں۔" وہ سامنے کھڑے کسی

www.novelsclubb.com

لڑکے سے کہہ رہا تھا۔ لڑکا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکا دیکھتا رہا۔ وہ اپنی منزل کی جانب رواں ہوا۔

وہ ایک بڑے سے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ایک بھورے رنگ کی میز کے دوسری طرف ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھا تھا۔ وہ انٹرویو دے رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہا تھا ۔ وہ بالکل نارمل انداز میں بتا رہی تھی۔

اس کی زبان ایک لمحے کے لیے تالو سے چپک گئی جب کسی نے سامنے والے کمرے کا دروازہ کھولا۔ وہ سامنے بیٹھا تھا۔ وہ بالکل سامنے تھا۔ وہ سیاہ بال جو جل سے سیٹ کیے ہوئے تھے۔ وہ سیاہ آنکھیں۔ ہاں! سیاہ آنکھیں اسے کتنی پسند تھیں وہ آنکھیں۔

www.novelsclubb.com

وہ کچھ بول رہا تھا۔ جب کسی احساس کے زیر اثر اس نے سامنے دروازے کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر گھوم گیا۔

وہ کلاس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کچھ لکھنے میں مگن تھا۔ جب اسے کچھ احساس ہوا۔ اور کسی لمحے کی بغاوت تھی کہ اس کی نظریں اس سے جا ملیں۔ وہ لمحہ گزر گیا۔ مگر وہ ہمیشہ کے لیے اس لمحے کی

قید میں ایسا قید ہوا جیسے آلہ دین کا جن چراغ میں قید ہوا تھا۔ وہ چراغ اب اس کی حقیقت بن چکا تھا۔ وہ باہر آ بھی جاتا مگر اس کا اصل اندر تھا۔ وہ اس ایک لمحے میں اس کا اصل بن چکی تھی۔ اپنے اصل کے بغیر کون رہ پایا ہے۔ جو وہ رہ پاتا۔

کسی نے دروازہ بند کیا تو ہوش میں لوٹی۔ سامنے بیٹھے پروفیسر اس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ وہ شرمندہ سی سوری کر رہی تھی۔

وقت کی سوئیوں کو سال پیچھے گھماتے ہیں۔ کہانی کے بکھرے پرزوں کو جوڑتے ہیں۔

حمزہ سلطان پچھلے سال اپنے کالج میں ٹاپ کرنے کے بعد کسی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا متمنی تھا ۔ لیکن ایک دن اسے ایک ای میل آئی۔ اس کا ایڈمیشن کسی foreign country میں ہو چکا تھا۔ اس بات کو تو وہ بھول ہی چکا تھا۔ اس نے ایک یونیورسٹی میں بس یوں ہی apply کیا تھا ۔ وہ یورپ کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔ اس کے بعد اس کا ایک آن لائن انٹرویو ہوا تھا۔ انٹرویو کے وقت اسے بس اتنا کہا گیا تھا۔ کہ اسے بعد میں آگاہ کر دیا جائے گا۔ جب انٹرویو دینے والوں کی لسٹ آئے گی۔ اسے لگا کہ وہ کہاں اتنی بڑی یونیورسٹی میں جگہ بنا پائے گا۔ مگر وہ بنا چکا

تھا۔وہ اس دن بہت خوش تھا۔اس نے طلال سمیت اپنے سارے دوستوں کو ٹریٹ دی تھی۔ اس کے اکثر دوست اتنی دور جانے پر منہ پھلائے ہوئے تھے۔جن میں سر فہرست طلال تھا۔وہ انھیں سمجھا چکا تھا۔کہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔زندگی بڑی کنجوس ہے۔یہ ہمیں بس موقع دیتی ہے۔مواقع یہ بس موت کو دیتی ہے۔وہ سمجھ گئے تھے۔نا بھی سمجھتے تو وہ پھر بھی نہ رکتا۔کچھ دن بعد اس کی فلائٹ تھی۔وہ دعا کے گوش گزار سارا مدعا کر چکا تھا۔جیسے تیسے اسے بھی ماننا ہی تھا۔سب کچھ ایک دم پرفیکٹ تھا۔اس کی فلائٹ کا دن بھی آ گیا۔اس دن وہ صبح سے تیاری کر رہا تھا۔ماں کچن میں گھسی رہتی تھیں۔وہ اپنے بیٹے کو ہر قسم کا،ہر پکوان کھلا دینا چاہتی تھی۔وہ اسے ان دنوں میں پہلے ہی بہت کھلا چکی تھیں۔اسے بھوک بھی نہ ہوتی۔وہ تب بھی کھا لیتا تھا۔اسے ماں کی صورت حال کا اندازہ تھا۔اس کی فلائٹ شام کے چار بجے تھی۔وہ پیکنگ کرتا رہا۔وہ تھک گیا تھا کام کر کر کے۔اسے اپنے پینڈنگ کام بھی مکمل کرنے تھے۔وہ دس بجے کے قریب گھر سے نکلا تو واپس گیارہ بجے آیا تھا۔اسے دو بجے گھر سے نکلنا تھا۔وقت گزر گیا۔وہ بیگ لیے سیڑھیوں سے اترتا ہوا جلدی جلدی لمبے،لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے آ رہا تھا۔جب وہ ہوا جس کی توقع اسے تو کیا۔شاید اس گھر کی دیواروں کو بھی نہیں ہو گی۔

ان کا انٹرویو ختم ہو چکا تھا۔ وہ سیڑھیوں کو پھلانگتی تیزی سے اتر رہی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر اس سے بھاگ رہی تھی۔ وہ یہ بات نہیں جانتی تھی۔ یا خود کو اس سچ سے دور رکھ رہی تھی۔ مگر اس کی رفتار اس بات کی گواہی دے رہی تھی۔ کہ وہ اس سے بھاگ رہی تھی۔ یہ بات دور کہیں اس کے لاشعور میں عیاں تھی۔ وہ بلاک سے کچھ دور پہنچ چکی تھی۔ جب وہ ہانپتہ ہوا آیا۔

"تم مجھ سے بھاگ رہی ہو." اس کا انداز سوالیہ تھا۔ یا پھر کچھ جتاتا ہوا تھا۔

وہ ٹھہر گئی۔ یہی کام تو بس مشکل تھا۔ جب وہ سامنے ہوتا تھا۔ تو پھر پوری دنیا ٹھہر جاتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے وہ کتراتی رہی۔ پھر خود کو لمحہ کے بیسویں حصے میں کمپوز کیا۔

"نہیں میں تم سے کیوں بھاگوں گی۔" رسماً سا مسکرا رہی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو کسی اجنبی کو اس وقت دی جاتی ہے۔ جب وہ آپ کی گری ہوئی چیز اٹھا کر لوٹا رہا ہوتا ہے۔

"کچھ نہیں رہا". وہ آنکھوں میں ایک امید لیے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں تو کچھ بھی نہیں رہا"۔ وہ اسی انداز میں جواب دے رہی تھی۔ اس نے نوٹ کیا وہ۔ وہ نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔

"اتنی جلدی" وہ اتنی آہستہ بولا کہ بامشکل اس کو سنائی دیا۔

"بہت جلدی" وہ پھر اسی انداز میں گویا ہوئی۔

"کیوں" وہ یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"وہ دن گئے جب لوگ دھوکہ دے کر چلے جاتے تھے۔اور ہم ساری عمر دل میں اس کا بوجھ لیے، آنکھوں میں غم کا پانی بھرے بتا دیتے تھے۔" اسے اس دفعہ غصہ آیا تھا۔شدید غصہ مگر ۔۔۔مگر وہ پھر بھی لہجہ نرم رکھے ہوئے تھی۔اسے اس شخص کے لیے کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا تھا

۔

"محبتیں کب سے جدید ہونے لگیں"۔وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔وہ الفاظوں کا صناع تھا۔اور لفظ اس کے ضائع تھے۔سامنے کھڑی لڑکی کو اس کے سحر سے خوف آیا۔وہ پگھل رہی تھی۔اسے بس یہاں سے جانا تھا۔

"جب سے دھوکا دہی جدید ہوئی ہے تب سے اور کب سے۔" اس نے سرگوشی کی۔اور سامنے کھڑے مرد کے منہ پر جیسے کسی نے جوتا پھینک مارا ہوا۔وہ اسے دھوکے باز کہہ رہی تھی۔

"اگر دھوکے باز پچھتائے اپنے دھوکے پر تو۔۔۔۔تو اسے کوئی رعایت مل سکتی ہے۔"

وہ کہنا چاہتا تھا۔میری واپسی کا کوئی راستہ ہے۔کوئی کھڑکی تم نے کھلی چھوڑی ہے۔جہاں سے میں آسکوں۔کوئی روشن دان۔کچھ تو ہو گا۔کچھ تو ابھی بھی باقی ہو گا۔وہ سامنے تھی۔مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔کبھی وہ سامنے نہ ہو کر بھی سب جگہ ہوتی تھی۔

"ہاں ناں(تمہیں یہ دل دھوکے باز مانتا ہی نہیں)۔کیوں نہیں۔(سانسیں بند ہو سکتی ہیں۔تمہارے لیے یہ دروازے بند نہیں ہوتے)مل سکتی ہے۔(دل کرتا ہے یہ ساری دنیا تمہارے قدموں میں رکھ دوں)بالکل مل سکتی ہے۔(ہر جگہ تمہاری ہے۔ہر کونے پر تمہارا نام لکھا ہے۔)"وہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے کہہ رہی تھی۔وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔اس کی سماعتوں میں طلال کے کہے الفاظ گونج اٹھے۔

"تم ایک بار کوشش کرو۔وہ مان جائے گی۔وہ تم سے موو آن نہیں کر سکتی۔وقتی غصہ ہے۔ختم ہو جائے گا۔"

www.novelsclubb.com

"کیا" وہ پھول کی مانند کھل اٹھا۔اس کی ساری حسیں اس کے جواب کو سننے میں لگی تھیں۔دل بیٹھا جارہا تھا۔جواب۔۔۔جواب اگر اس کی مرضی کا نہ ہوا تو۔اگر اس نے کچھ اور کہہ دیا تو۔

"اتنی رعایت مل سکتی ہے۔اب کسی سے محبت یا وعدہ کرونا۔تو اسے دھوکہ مت دینا۔" وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔اسے اس کی آنکھوں میں کچھ نظر کیوں نہیں آیا۔وہ ہر جذبے سے خالی لگتی تھی۔کچھ بھی تو نہیں تھا۔شکوہ،گلہ،رنجش،کوئی عداوت،بدلہ۔کیوں کچھ بھی نہیں تھا۔کچھ بھی نہ ہونے کا احساس کچھ نہ ہونے سے زیادہ درد دیتا ہے۔

وہ پلٹی تو لمبا سا سرد سانس اندر کھینچا۔آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔بازو سے صاف کیا۔وہ آس پاس سب سے بے نیاز تھی۔کون اسے دیکھ رہا تھا۔کون کیا کہہ رہا تھا۔کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔بس تھا تو وہ اور اس کی باتیں۔وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ وہی crop top والی لڑکی اسے چڑاتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔اس کے ذہن کے پردوں پر بس وہی ایک شخص ابھر رہا تھا۔اسے رہ،رہ کر اس پر غصہ آرہا تھا۔وہ شکوہ کرنا چاہتی تھی۔اسے کرنا چاہیے تھا۔اسے بتانا چاہیے تھا۔کہ وہ اس کے لیے کتنا روئی ہے۔وہ اس کے لیے کتنا رو سکتی ہے۔اسے کہنا چاہیے تھا۔کہ وہ دھوکے

www.novelsclubb.com

بازہے۔ مگر وہ نہیں کہہ پائی۔اسے اس کی آنکھوں میں سب کچھ نظر آتا تھا۔سفاکیت، ملال، پچھتاوا باقی پھر کبھی صحیح۔ مگر اسے جو نظر آنا چاہیے تھا۔وہ نہیں آیا تھا۔وہ جو اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتی تھی۔وہ دور، دور تک بھی کہیں نہیں تھا۔اگر اسے وہ ایک چیز نظر آجاتی۔تو وہ ساری زندگی اس شخص سے نفرت میں گزار دیتی۔کم از کم اس سے نفرت کرنے کی کوئی وجہ تو ہوتی۔اب نفرت ہو نہیں رہی تھی۔اور محبت وہ اسے اپنی آنکھوں میں دکھا نہیں سکتی تھی۔سو ہر جذبے سے بہتر کسی جذبہ کا نہ ہونا۔اس نے بھی یہی کیا۔

"ہیلو مس crop top" وہ اس کے سامنے سے گزرتا ہوا۔زور سے بولا تو وہ اچھل پڑی۔پھر مسکرا دی۔اسے یہ خوبرو سا لڑکا اچھا لگا تھا۔شاید یہ پہلا شخص تھا۔جس کا drag کرنا بھی اسے offend نہیں کر رہا تھا۔

"ہیلو" اس نے بہت ہی coquettish انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے ہیلو کہا۔

www.novelsclubb.com

اس نے مڑ کر دیکھا۔وہ اس کے اس انداز پر قہقہہ لگا گیا۔وہ کہیں سے بھی چند لمحے پہلے والا شخص نہیں لگ رہا تھا۔وہ اس کے قہقہے کو گرین سنگلز سمجھ بیٹھی۔وہ شرمیلا سا مسکرائی۔اس کے گروپ نے

"اوہ۔۔۔۔۔"کا نعرہ بلند کیا۔وہ جھینپ گئی۔حمزہ کو کچھ سوجھا۔وہ پلٹ کر واپس آیا۔وہ flustered smile کرنے لگی۔

وہ قریب آگیا۔تو سارا گروپ دم سادھ گیا۔سب اگلے لمحے کا انتظار کرنے لگے۔اس نے بولنے کے لیے منہ کھولا تو سب کی نظریں اس کے ہونٹوں پر گڑھ گئیں۔

اس نے کہا see you لڑکی کی سانسیں تک اٹک گئیں۔وہ آگے سننے کے لیے متزلزل ہوئی۔

وہ مسکرایا اور بولا "see you never" اور زوردار قہقہہ لگا کہ ہنس دیا۔لڑکی ہتک سے زمین میں گڑھ گئی۔چند لمحوں کا بنایا خوابوں کا محل ایک لمحے میں چور، چور ہو گیا۔اس کا گروپ اسے deriding کر رہا تھا۔وہ غصے میں پھنکاری تو سب نے ہنسی دبالی۔

وہ جا رہا تھا۔اس کے پیچھے قہقے گونج رہے تھے۔"جب اپنی ذات پر زخم لگتا ہے۔تب جا کے دوسرے کے درد کا احساس ہوتا ہے۔"وہ اس لڑکی کے متعلق کہتا جا رہا تھا۔اس نے وہ ساری باتیں سن لی تھیں۔جو وہ سفید لباس والی لڑکی کو دیکھ کر ہنس،ہنس کر اپنے گروپ سے کر رہی تھی۔اسے انتہا کا غصہ تھا۔اسے سب گوارہ تھا سوائے اس کے کوئی اسے کچھ کہے۔اس کی خاطر تو وہ اپنا دل تک توڑ سکتا تھا۔پھر کسی کا منہ توڑنے میں کیسی تکلیف بھلا۔

نومبر کی دوپہر باسی ہو چکی تھی۔شام ابھی تازہ تھی۔مغرب ہونے میں وقت تھا۔سورج ڈھل چکا تھا۔دور کہیں چند ایک کرنیں باقی تھیں۔جو آسمان پر اپنا نقش چھوڑے سرخ اور مٹیالا سا ہالہ بنا رہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

وہ کار میں بیٹھی اور چلی گئی۔وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

اس نے ماتھے پر بکھرے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے اوپر کیا۔اس کا چوکور سا ماتھا نمودار ہوا۔وہ اب آسمان کو دیکھ رہا تھا۔اس نے سیاہ آنکھیں بند کیں۔ہاتھ یونہی سر پر رکھے ہوئے تھے۔وہ جب بھی یوں آنکھیں بند کر کے کھولتا۔وہ ہمیشہ کوئی سخت فیصلہ کرتا تھا۔وہ نتائج کی پرواہ کیے بنا

فیصلہ لیتا تھا۔وہ ایک reckless شخص تھا۔impulsive, hasty قسم کا شخص جو ہمیشہ فیصلے لینے میں جلدی کرتا تھا۔

ایسے فیصلے جو جلد بازی میں لیے جائیں۔اکثر خسارے کا سبب بنتے ہیں۔لیکن بعض دفعہ یہ فیصلے حد سے زیادہ درست ثابت ہوتے ہیں۔ایسا شخص جو بنا نتائج کی پرواہ کیے فیصلے لینے میں جلد بازی دکھائے اسے reckless کہتے ہیں۔

وہ فیصلہ کر چکا تھا۔اسے بس اب عمل کرنا تھا۔اسے لگتا تھا فیصلہ نہ لینے سے بہتر ہے بندہ غلط فیصلہ لے لے۔کم از کم اس کے پاس کہنے کو کچھ تو ہو۔کل وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر یہ نہ کہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔

www.novelsclubb.com

The risk of a wrong decision is preferable to the terror of

indecision." – Maimonides

وہ میمو نائیڈز کے اس quote کا فین تھا۔ یہاں تک اس کے Whatsapp کے about میں بھی یہی quote کندہ تھا۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔ عمل کا وقت طے تھا۔

زندگی کئی بار ایسے پلٹتی ہے کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کہاں انسان بڑے، بڑے خواب سجائے بیٹھا ہوتا ہے۔ کہاں زندگی اپنی تقدیر پر کچھ اور بساط بچھائے ہوئے ہوتی ہے۔ انسان چاہے لاکھ کوشش کر لے۔ لیکن اس کی آزمائش اسی سے ہو گی۔ جو شے اسے سب سے زیادہ محبوب ہو گی۔ ہر انسان کو آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر آزمائش کسی عام شے سے لی جائے تو وہ آزمائش تھوڑی ہوئی۔ آزمائش ہمیشہ اس چیز کی ہوتی ہے۔ جو انسان کو خود سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ کسی بھی شے کو محبوب بنانے سے پہلے خود کو اس کی آزمائش کے لیے تیار رکھے۔

www.novelsclubb.com

شام ڈھل گئی۔ مغرب باسی ہو گئی۔ رات کی پہلی سیاہی نے آسمان کو اپنی سیاہی سے ڈھانپ لیا۔ آسمان جو دن کی تیز روشنی سے تھک چکا تھا۔ اس نے خوشی، خوشی تاریکی کو قبول کر لیا۔ رات نے جب پر پھیلائے تو آسمان نے اپنی خوبصورتی کا ظہور کیا۔ سیاہ آسمان پر کہکشاؤں کے جال میں

ٹمٹماتے تارے ہزار رنگ لیے چمک رہے تھے۔آسمان مکمل سیاہ ہونے میں ناکام ہوا۔مگر یہ چھوٹے، چھوٹے تارے اپنی جگمگاہٹ سے زمین والوں کے لیے دن کی تھکان اتارنے میں موثر کردار ادا کر رہے تھے۔زمین زاد گھروں کی چھتوں پر لیٹے، کھلی آنکھوں میں سپنے لیے، چہرے پر تھکان کو مات دیتی مسکراہٹ سجائے تارے دیکھنے میں مگن تھے۔کچھ لوگ آسمان تلے کھلے صحنوں میں یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔گاؤں کے لوگ روز اس نظارے سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔کیونکہ وہ دیواروں کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔ان کے کھلے صحن سے پورا آسمان نظر آتا ہے۔ آسمان کے دلدادہ لوگ ستاروں کو اپنی آنکھوں میں سجائے نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ ان کے برعکس وہ لوگ جو بڑے بنگلوں اور اونچے محلوں میں رہتے ہیں۔انھیں آسمان تک کو دیکھنے کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔کیونکہ ان کے بستر سے آسمان نہیں چھت نظر آتی ہے۔ان کے بچھونے سے اطراف میں جھولتے پودے نہیں۔چاروں طرف کھڑی دیواریں نظر آتی ہیں

۔

وہ دونوں بھی ایک صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔ایک چارپائی پر۔چارپائی کھجور سے بنی ہوئی تھی۔ چارپائی پر لیٹے نفیس وجمال سے مرد کا ماننا تھا۔کہ تھکا انسان جب کھجور کی چارپائی پر لیٹتا ہے ناں

۔ جسم سیدھا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے پہلو میں لیٹی بچی کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اس کے پہلو میں لیٹی چھوٹی سی بچی نے سمجھنے والے انداز میں اوپر نیچے زور، زور سے سر ہلایا۔ اس کے اس انداز پر چارپائی پر لیٹا شخص زور سے ہنس پڑا۔

"پگلی اتنی زور سے ناں ہلایا کر۔ کسی دن گردن اکڑ جائے گی۔" بچی بھی ساتھ ہنس دی۔ وہ دونوں نفوس اسٹرونومی انتھوزیاسٹس "(Astronomy Enthusiast) تھے۔ آسمان کے دلدادہ ستاروں کے شیفتہ تاروں کی جھرمٹ میں رنگین آسمان پر ہزاروں انجم دل کو موہ لینے والا منظر پیش کر رہے تھے۔ وہ دونوں نفوس اس چارپائی پر لیٹے سیاہ رات کو روشنی بخشتی ثریا کی حسین رنگینیوں میں کھوئے زندگی کا لطف لوٹ رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

"یہ ستارے ہم سے کتنی دور ہیں۔" وہ ستاروں کی جھرمٹ میں مدہوش کہہ رہا تھا۔

"اتنے کہ ہم انھیں چھو نہیں سکتے"۔ وہ بچی جو تقریباً سات سال کی ہو گی۔ فوراً بولی۔ اس کی آواز بالکل صاف اور محبت کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مگر میں تو اپنے ستاروں کو چھو سکتا ہوں۔" وہ شخص فوراً بولا۔اب اس نے گردن موڑ کر ساتھ لیٹی لڑکی کو دیکھا۔جو اسے کاندھے پر سر رکھے ہوئے تھی۔

"اور میں بھی اپنے ستارے کو چھو سکتی ہوں۔" وہ بھی دوبدو بولی۔

اس کے برابر میں لیٹا شخص اس کی چالاکی پر فوراً ہنس دیا۔

"کون سا ہے تمہارا ستارہ"۔۔۔"وہ۔۔۔۔۔"وہ اب آسمان پر شہادت کی انگلی سے ایک ستارے کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

"نہیں وہ نہیں ہے۔میرا ستارہ میرے پاس ہے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"اچھا یہ والا۔"وہ شخص اب ان کے بالکل اوپر ایک تارے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔رات ان کی محبت پر رشک کر رہی تھی۔ستارے چاند کے ساتھ مل کر جھوم رہے تھے۔ہلکی، ہلکی ہوا آسمان کا طواف کر رہی تھی۔

"نہیں یہ والا" اس نے دونوں ننھے ہاتھوں کے ہالے میں اپنے باپ کا چہرہ بھرتے ہوئے کہا۔ اس کے باپ نے گردن موڑے۔۔۔۔لیٹے، لیٹے اسکے ماتھے پر محبت بھرا بوسا دیا۔اور اس کی

ہوشیاری پر زور سے ہنس دیا۔دنیا میں کئی محبتیں ہیں۔لیکن ایک باپ کی جو محبت بیٹی کے لیے ہوتی ہے۔وہ اس دنیا کی تمام محبتوں پہ بھاری ہے۔اس محبت کے سامنے ہر جذبہ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ ہر روشن ستارہ ماند پڑ جاتا ہے۔کچھ محبتیں بہت عظیم ہوتی ہیں۔لیکن کچھ محبتیں ساری عمر باقی نہیں رہتیں۔

"وہ ستارے کس کے ہوئے پھر۔"

اس کا باپ اب متجسس لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔چہرے پر مسکراہٹ تھی۔جو کسی طور جدا نہ ہوتی تھی۔

"وہ آسمان کے ستارے ہیں۔"وہ فوراً بولی۔جیسے اسے جواب پہلے سے ازبر تھا۔

"کیوں"۔باپ پھر بولا۔اب وہ دونوں آسمان میں نظریں گڑائے ہوئے تھے۔وہ ہمیشہ اپنے باپ کے ساتھ سوتی تھی۔اس سے اگر کوئی پوچھتا کہ تمہیں ماں اور باپ میں کس سے زیادہ پیار ہے تو کہتی دونوں۔اگر کوئی بہت اسرار کرتا کہ کسی ایک بتاؤ تو کہتی اپنے بابا سے۔

"کیونکہ وہ آسمان کے پاس ہیں۔اور جو آسمان کے پاس ہوتے ہیں وہ آسمان کے ستارے ہوئے۔ اور ہمارے ستارے وہ ہوتے ہیں جو ہمارے پاس ہوتے ہیں۔وہ آسمان کو روشن کرتے ہیں۔اس لیے وہ اسی کے ہیں۔اور جو ہمیں روشن کرتے ہیں۔ہمارے اصل ستارے وہ ہوتے ہیں۔ہم ساری عمر آسمان کے ستاروں کو چھو لینے کی حسرت میں گزار دیتے ہیں۔لیکن کبھی ذرا سی گردن موڑ کے دیکھیں تو ہمارے ستارے تو ہمارے پہلو میں ہوتے ہیں۔"وہ دور آسمان کو تک رہی تھی۔ایک ہاتھ اس نے اپنے باپ کے گرد باندھ رکھا تھا۔مضبوط، محفوظ، پُر سکون حصار۔ رات کا چاند، سیاہی کے تارے، جھرمٹ میں جھرمر کرتے ستارے سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔واحد آواز ہوا کی سرسراہٹ کی تھی۔اس کا باپ اس دفعہ بہت خوش ہوا۔

"میرے ستارے تم دونوں ہو۔"وہ اب اس کے گال کو محبت سے چھوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بچی پھر سے ہنسنے لگی۔

"اور اماں وہ آپ کی کون ہوئی پھر۔"بچی نے فوراً پوچھا۔

www.novelsclubb.com

"وہ۔۔۔وہ تو میرا چاند ہیں۔"جو سیاہی کو روشنی بخش کر رات کی وحشت کو سکون میں بدلتا ہے

۔

اب وہ دونوں کسی ستارے پر بات کر رہے تھے۔باپ بیٹیوں کی زندگی کا وہ روشن ستارہ ہوتے ہیں۔جو آسمان کو دن کی روشنی کے گم ہو جانے کے بعد رات کی تاریکی میں بھی ماند نہیں پڑنے دیتے۔کہتے ہیں تارے دن میں بھی ہوتے ہیں۔ثریا روشنی میں بھی ہوتی ہے۔مگر وہ کسی کو نظر نہیں آتی۔کیونکہ سورج کی تیز ترین روشنی ان کی چمک کو خود میں سمو لیتی ہے۔لیکن وہ آسمان پر تب بھی ہوتے ہیں۔جب سورج اس کی سرحدوں سے دغا کر کے کسی اور کو روشن کرنے نکل پڑتا ہے۔یہ تب بھی آسمان کا ساتھ نبھاتے ہیں۔اور اسے اپنی روشنی سے سجا دیتے ہیں۔بالکل اسی طرح باپ بھی بیٹیوں کے لیے وہ ستارے ہوتے ہیں۔جو اپنی روشنی کو تو ماند پڑنے دے سکتے ہیں۔لیکن اپنے بچوں کی روشنی کو کم نہیں ہونے دیتے۔ان ستاروں کو آسمان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔کیونکہ ان کے بغیر آسمان سونا سا ہو جاتا ہے۔وہ دلکشی نہیں رہتی۔وہ روشنی باقی نہیں رہتی۔

www.novelsclubb.com

وہ کسی سحر سے باہر تب نکلی جب وہ سیاہ بلی اس کے پاؤں میں آ کھڑی ہوئی۔اس کے پیروں پر اپنی گردن مسلنے لگی۔وہ ایک دم سے ہوش میں آئی۔وہ چھت پر کھڑی تھی۔اس کا ہاتھ لا شعوری طور پر آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔وہ ہنس رہی تھی۔وہ کسی خواب کے زیر اثر تھی۔ خواب ٹوٹ گیا تھا۔کرچیاں آنکھوں میں شیشے کا کام کر رہی تھیں۔چبھن حد سے سوا تھی۔دل پر کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔اس کی نظریں آسمان سے ہٹتی نہ تھی۔

اس کی آنکھوں سے ایک گستاخ آنسو ٹوٹ کر کسی موتی کی طرح بکھر گیا۔اس نے آنسو صاف نہیں کیا۔بس ایک فسردہ سی سانس کھینچی۔اور جھک کر بلی کو گود میں لے لیا۔اب وہ اس کے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔وہ بلی کو گود میں چھت پر لگے ایک جھولے پر بیٹھ گئی۔

www.novelsclubb.com

”وہ اب بھی یاد آتا ہے۔وہ ہمیشہ یاد آتا ہے۔اس کی یاد نے مجھے پتھر سا بنا دیا ہے۔پتہ ہے کبھی کبھی دل چاہتا ہے۔کہ میں سب بھول جاؤں اپنی یاداشت کھو دوں۔لیکن میں کہاں کھو سکتی ہوں۔یہ سب انسان کے اختیار میں کہاں ہوتا ہے۔“وہ اب بلی کو گردن سے لگائے ہوئے تھی ۔بلی میاؤں، میاؤں کرتی اس کی گردن میں منہ چھپا گئی۔وہ دور آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہوئے

کہہ رہی تھی۔ ”پتہ ہے نیرا تم میں اور اس میں کیا فرق ہے۔“ نیرا نے منہ اس کی گردن سے باہر نکالا۔ نیرا اس کی طرف دیکھے گئی۔ اس دفعہ نیرا خاموش رہی۔ وہ اب نیرا کو دیکھ رہی تھی۔ جو چاند کی روشنی میں سیاہ رات میں ایک الگ سیاہی دکھا رہی تھی۔ اس کی سفید شرٹ پر وہ سیاہ رنگ الگ واضح ہو رہا تھا۔ ”تم جاتی ہو تو لوٹ آتی ہو۔ وہ گئے تو پھر مڑ کر ہی نہیں دیکھا۔ میں نے ان کا بہت انتظار کیا نیرا۔ مگر وہ نہیں آئے۔“ وہ ذرا سا ٹھہر گئی۔ ایک ہچکی سی لی۔ وہ ازلی انداز تھا ۔اس کے بات کرنے کا۔ اب اس کا ٹھہرنا سوئیڈش ہچکی جیسا ہو رہا تھا۔ یہ اس کے انداز میں مزید خوبصورتی پیدا کر رہا تھا۔

”پھر ایک دن میرے انتظار کو صبر آ گیا۔ اور جب کسی کے انتظار کو صبر آ جائے نا۔ پھر جا کے نہ آنے والے کو چاہیے کہ کبھی نہ لوٹ کر آئیں۔ دنیا میں دو چیزیں مشکل ترین ہیں۔ ایک انتظار اور دوسرا صبر۔ مگر جب انتظار کو صبر عطا ہو جائے ناں۔ پھر جانے والے کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔“ بلی اب اس کی گود میں بیٹھی گلے پر لگی بٹنوں سے چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ اس نے رک کر نیرا کو دیکھا۔ نیرا اور اس شخص میں کتنا فرق تھا۔

www.novelsclubb.com

"نیرا مجھے کبھی، کبھی خوف آتا ہے۔"اس دفعہ نیرا نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔وہ ڈری ہوئی نہیں تھی۔وہ رو بھی نہیں رہی تھی۔وہ بس سپاٹ سی کہہ رہی تھی۔یوں ہی جیسے کوئی سادہ انداز میں مشکل بات کو بیان کر رہا ہو۔

"مجھے لگتا ہے۔وہ کسی دن لوٹ آئے گا۔اور اس دن۔۔۔۔اس دن سب خاک ہو جائے گا۔ اسے کبھی نہیں لوٹنا چاہیئے۔ کبھی بھی نہیں۔ چھوڑ کے جانے والوں کو واپس نہیں آنا چاہیے نیرا ۔ان کا نہ آنا آپ کے دل میں ان کو کہیں نہ کہیں زندہ رکھ لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ پلٹ آئیں۔تو دل فاتحہ پڑھ لیتا ہے۔میں اس کی فاتحہ نہیں پڑھنا چاہتی۔میں بس یہ چاہتی ہوں۔کہ وہ مجھ میں کہیں،زندہ رہ جائے۔"اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

www.novelsclubb.com

رات اپنے پر پھیلائے گئی۔سیاہی بڑھتی چلی گئی۔رات جتنی سیاہ ہوتی گئی۔فلک پر ثریا کی روشنی بڑھتی گئی۔ہمیشہ کے لیے کچھ نہیں رہتا۔سیاہی بڑھتی ہے۔مگر ختم ہونے کے لیے۔رات کی سیاہی اس بات کی گواہی دیتی ہے۔کہ جب کوئی شے بڑھتی چلی جاتی ہے۔تو وہ اصل میں ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔درد اگر حد سے بڑھنے لگے تو سمجھ لیں۔کہ تکلیف جڑ سے ختم ہونے والی ہے

۔ایسے میں بس ایک چیز ہے۔جو آپ نے نہیں ہارنی۔ہمت۔۔۔انسان ساری عمر سہتار ہتا ہے۔ مگر عین موقع پر پہنچ کر وہ ہمت ہار دیتا ہے۔اپنی ہمت کو اس وقت مضبوط کریں۔جب آپ کو لگے کہ اب کچھ بھی ہو سکتا ہے۔بس ہمت،ہمت نہیں ہو سکتی۔یہی وہ لمحہ ہوتا ہے۔جب آپ اپنی زندگی کے سب سے خوبصورت حصول کی حدودوں میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ان حدودوں میں پہنچ کر واپس مڑ جانے والے خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔جب ہمت جواب دینے لگے تو سمجھ لیں کامیابی آواز دے رہی ہے۔

O_o O_o O_o

www.novelsclubb.com

ایسی ہی ایک رات صفدر ہاؤس پر بھی اتری تھی۔آج گھر میں سناٹا تھا۔راہداری کے تمام بلب بند تھے۔اگر تم ذرا سا آگے چل کر دیکھو تو لاونج میں ہلکی،مدھم سی روشنی تمہارا استقبال کرے گی ۔یہ مدھم،مدھم روشنی رات کی تاریکی میں گھر کے اندر رفسوں طاری کیے ہوئے تھے۔جو آنے

والے کے اعصاب پر ایک خوبصورت سا اثر چھوڑتی تھی۔سیاہ رات میں پیلی روشنائی دل کو مسرور کیے دیتی تھی۔اس لاونج سے ذرا فاصلے پر کینڈلز تھرتھرا رہی تھیں۔یہ روشنی انھیں کینڈلز سے بکھر کر دور،دور تک پھیل رہی تھی۔انسان کو بھی اس روشنی کی طرح ہونا چاہیے۔ جو حد دائرہ میں رہ کر بھی دوسروں کو مستفید کر سکتی ہے۔کھا دوڑنے کو بھاگتی ہوئی تاریکی کو سرور بنا کر دل میں رقص کرا سکتی ہے۔تاریک پڑتے چہروں کو مسرور کر سکتی ہے۔ذرا سے قدم بڑھائیں۔کینڈلز کی طرف روشنی کی طرف۔جہاں سے یہ روشنی بکھرتی ہوئی پھیل رہی تھی۔ اس پراسرار سے ماحول میں میز پر چند ڈشز سجی ہوئی تھیں۔میز کے درمیان میں کینڈل سٹک ہولڈر رکھا تھا۔جس میں باریک،باریک موم بتیاں ہلکی،ہلکی سی ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھیں۔مگر وہ ہوا انھیں بجھانے کے قابل نہیں تھی۔ایک طرف ٹی لائٹ ہولڈر جس میں چھوٹی،چھوٹی موم بتیاں میز پر رکھے کھانے کو دیکھنے کے قابل بناتی تھیں۔ان کی روشنی میں میز پر بیٹھے دو نفوس واضح تھے۔واحد آواز جو اس خاموشی کو توڑ رہی تھی۔وہ ان نفوس کے ہاتھوں میں موجود فورک اور چمچ کے ٹکراؤ سے پیدا ہونے والے کھنکھناہٹ کی تھی۔سربراہی کرسی پر ماں اور ان کے پہلو میں مومی(ماں اور دعا اکثر مومنہ کو مومی کہتے ہیں)بیٹھی تھی۔مومی موبائل نکالے،

کیمرا فوکس کیے، کچھ زاویے سیٹ کر رہی تھی۔اب وہ ایک ہاتھ سے ایک ڈش کو دوسری کے قریب کر رہی تھی۔اب پرفیکٹ تھا۔پلیٹ میں ادھ کھایا ہوا پیزا تھا۔جو تصویر کو مزید نکھار رہا تھا۔ایک۔۔۔دو۔۔۔تین۔۔۔کلک، کلک، کلک۔اس نے ایک ساتھ تین تصویر اتاریں تھیں ۔وہ ہمیشہ burst shoot کرتی تھی۔ماں اس کی اس عادت سے ہمیشہ خار کھاتی تھی۔

"کھالو اب مومی" ماں بگڑ کر بولی۔وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔اس نے ادھ کھائے پیزے سے ایک اور ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ذائقہ منہ میں گھلتا چلا گیا۔اس کی ماں سے بہتر پیزا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے ریستوران میں بھی کوئی نہیں بنا سکتا تھا۔ماں جیسا کھانا دنیا میں کہیں کوئی نہیں بنا سکتا۔ہر کھانے کی قیمت ہوتی ہے۔مگر ماں کے بنائے کھانے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔وہ جسے میسر ہو اسے چاہیے۔کہ اس کی قدر کرے۔ورنہ لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔جو ساری عمر لگانے کے بعد بھی یہ نہیں جان پاتے کہ ماں کے ہاتھ کا ذائقہ اتنا لذیذ کیوں ہوتا ہے۔حالانکہ انھیں دنیا کے بہترین پکوان کھانے کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔وہ کئی براعظم کے کھانوں کے ذائقے انگلیوں پر گنوا سکتے ہیں۔مگر وہ اس ذائقے سے محروم ہوتے ہیں۔جو ماں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔انھوں نے ہزاروں عورتوں کے ہاتھوں کے لذیز پکوان کھائے ہوتے ہیں۔مگر ان

www.novelsclubb.com

عورتوں نے وہ کھانے اپنے بیٹوں کے لیے نہیں بنائے ہوتے۔ان ہاتھوں میں ذائقہ تو ہوتا ہے۔ مگر ماں کا پیار نہیں ہوتا۔ جسے جو ملتا ہے۔اسے وہ کم لگتا ہے۔ جس کے پاس جس شے کی قلت ہوتی ہے۔اسی کو اس کی قیمت و قدر معلوم ہوتی ہے۔

''اماں جب تک اپنے کھانے کی تصویر سوشل میڈیا پر نہ ڈالوں تب تک کھانا ہضم نہیں ہوتا۔'' وہ ایک ادا سے بولی۔

''تمہیں تو ویسے بھی ہر دوسرے دن بد ہضمی ہوئی رہتی ہے۔''اماں نے اسے لتاڑا۔

"اماں ہاضمہ درست نہیں ہے ناں۔کیا کریں۔یہ مسلہ تو آدھے پاکستان کو ہے۔"مومی نے توجیہات پیش کیں۔

''اوں ہوں۔یہ ہاضمہ کی بات نہیں ہے۔مسلہ کچھ اور ہے"۔اماں کا انداز پر اسرار سا تھا۔مومی اماں کے چہرے کی طرف دیکھے گئی۔بے ہنگم، متجسس، شاکی سی۔

"ہیں۔۔۔اور کیا بات ہو گی اماں۔۔۔۔"اس کی تو آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔کہیں اسے کوئی بیماری تو نہیں ہو گئی۔خیر جو بھی تھا۔وہ سچ میں ڈر گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"یہ جو لوگ ہوتے ہیں ناں۔یہی سوشل میڈیا پر"۔۔۔۔۔اماں منہ میں پاستہ ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔موم بتیوں کی خوشبو چاروں اطراف میں پھیلی ہوئی تھی۔اماں متفکر سی کہہ رہی تھی ۔مومی کو کچھ کھٹکا تھا۔کچھ عجیب سا۔"یہ جب تم تصویریں بنا،بنا کے سوشل میڈیا پر پوسٹ کرتی ہو ناں۔یہ لوگ نظر لگا دیتے ہیں۔ان کی نظریں بڑی کالی ہوتی ہیں۔"اور یہاں مومی کا سارا تجسس ہوا ہو گیا۔وہ اب زور،زور سے ہنس رہی تھی۔پیٹ کو پکڑے جھک،جھک جاتی تھی ۔اماں نے کتنی آسان بات کو کتنا ڈرامیٹک بنا دیا تھا۔اماں ہونقوں کی طرح اس کے چہرے کی طرف دیکھے گئی۔اس کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

"قسم سے اماں میں ڈر گئی تھی یار"۔آپ بھی حد کرتی ہیں۔وہ کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔اس کی ہنسی میں کمی آئی تھی۔مگر اب بھی جاری تھی۔اماں کو اس کے اس طرح ہنسنے پر غصہ آیا۔

"زیادہ دانت مت چمکاؤ۔کوئی کچھ بتایا کرے ناں۔تو مان لیا کرو۔"اماں خفگی سے بولیں۔

"ویسے اماں حالیہ خبروں کے مطابق بری نظر کو نظرِ بد کہتے ہیں۔"آپ نے تو بری کی جگہ بھی کالی نظریں استعمال کیا ہے۔۔۔"وہ فورک اور ٹیبل نائف سے پیزا سے ٹکڑا کر الگ کر رہی تھی۔

"ہاں جو بھی ہے۔ہے تو بری چیز ہی ناں۔تو ایسی چیزوں سے پرہیز کیا کر۔"اماں رکھائی سے گویا ہوئیں۔وہ اب پاستہ اپنی پلیٹ میں نکال رہی تھی۔اس نے اماں کی بات کو پوری توجہ سے سنا۔اور ہاں میں سر ہلاتی رہی۔

"خوامخواہ تم نے یہ اتنا سین کریٹ کیا ہے۔ایسے تو ڈراموں میں کرتے ہیں۔وہ جب لڑکا لڑکی ڈیٹ پر جاتے ہیں"۔اماں پانی پیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔حالانکہ سامنے گلاس میں مومی نے کولڈ ڈرنک بھی ان کے لیے ڈال رکھی تھی۔لیکن اماں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے تو اس سے سردی لگنے لگتی ہے۔

"ہاں ناں۔۔۔رومانٹک ڈیٹ اماں۔اسے رومانٹک ڈیٹ کہتے ہیں۔"وہ اب پاستہ کے ساتھ گارلک بریڈ اور سلاد کے پتے پلیٹ میں سجا رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"جو بھی ہوتا ہے۔یہ اتنی ساری موم بتیاں بھی جلادیں۔اور وہ۔۔۔وہ تو سب سے مہنگی ہے۔"
وہ اشاروں کے حصار میں ٹی لائٹ ہولڈر میں رکھی ہوئی کینڈلز کا کہہ رہی تھیں۔"اسے
تمہارے ماموں امریکہ سے لائے تھے۔ایسے جلاؤ گی تو جلد ختم ہو جائے گی۔"اس کی پلیٹ سج
چکی تھی۔وہ اب کھانے کے لیے تیار تھی۔نہیں وہ رکی۔پلیٹ کے ساتھ رکھا موبائل اٹھایا۔

"اماں یہ Yankee candle۔۔اس کے بغیر بھی بھلا ڈنر۔۔۔ڈنر لگتا ہے"اب وہ
کیمرے کا زاویہ سیٹ کر رہی تھی۔ٹی لائٹ ہولڈر میں Yankee برینڈ
کی midnight jasmine کی کینڈلز رکھی تھیں۔"پتہ ہے اس کی سب سے بہترین
بات کیا ہے۔یہ خوشبو ہلکی ہوتی ہے۔پُرسکون سی۔"اب اس کا فوکس کیمرے پر تھا۔یہاں
سے سب پرفیکٹ تھا۔بس اب اسے کلک کرنا تھا۔ایک۔۔۔۔دو۔۔۔۔تین۔۔۔کلک۔۔کلک
۔۔۔۔کلک۔۔آہ۔۔پرفیکٹ تھا۔اب وہ سکون سے کھا سکے گی۔

"یہ آپ کے اعصاب کو بوجھل نہیں کرتی۔یہ دیرپا اور راحت بخش ہوتی ہے۔"وہ بیٹھ گئی۔
آنکھیں بند کیے کچھ دیر سونگتی رہی۔آہ،بہت دلکش خوشبو تھی۔

www.novelsclubb.com

''ناں یہ ابھی میں نے کیا بکا تھا۔''جواب کھانا کھا چکی تھیں۔اسے اور تصاویر کلک کرتے ہوئے دیکھ کر تنفر سے بولی۔

''اماں آپ نہیں سمجھیں گیں۔میرے فین میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔میں انھیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔کہ آج میں کسی خاص کے ساتھ ڈنر کروں گی۔''اس نے اپنے تئیں بڑے پتے کی بات بتائی تھی۔''یعنی میرے کھانے کو بھی نظر لگوادی۔''اماں اور بگڑ گئیں۔کچھ بھی ہو جائے یہ مائیں آپ کے فین فالورز کی values کو نہیں سمجھ سکتیں۔وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"اماں وہ میری فیملی ہیں۔ایسے مت کہا کریں۔مجھے برا بھی لگ سکتا ہے۔''وہ خفا ہوئی۔

''لگتا ہے تو لگتا رہے۔ناجانے کس، کس کو فیملی بنا لیتے ہیں۔ناجان نہ پہچان۔۔چلی فیملی بنانے ۔۔۔۔''رومانٹک ڈنر میں کامیڈی فلم چلنے لگی تھی۔''پچاس صدیاں اور لگ جائیں گی ان ماؤں کو یہ بات سمجھنے میں کہ سوشل بندے کی ایک سوشل فیملی بھی ہوتی ہے۔"وہ اب اپنا پاستہ ختم کرنے کو تھی۔اس نے ایک گھونٹ کولڈ ڈرنک لیا۔۔۔۔

"پتہ نہیں انسٹا فیملی۔۔فیسبک فیملی۔۔۔یہ فیملی۔۔وہ فیملی۔۔سارے یہ ان گوروں کے کرتوت ہیں۔ہماری بیٹیوں کو بھی اپنی عورتوں کی طرح کر کے چھوڑیں گے۔"اماں کرسی چھوڑ کر اٹھ گئیں۔ان کا کھانا ہو چکا تھا۔گوروں والی بات پہ مومی کی ہنسی نکل گئی۔"اپنی فیملی کے افراد انھیں یاد نہیں رہتے سوشل،موشل خاندان بنانے چلی ہیں۔"اماں کی آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔وہ اب بھی اماں کی گوروں والی بات پہ ہنس رہی تھی۔

"توبہ اماں۔۔۔اب بچارے گوروں کو بھی کوستی رہیں گی۔"خیر اس نے برتن سمیٹے۔وہ کچن میں جا کے واپس آئی۔کینڈلز بجھائیں۔موبائل پکڑا ساتھ ایک نوٹیفیکیشن جگمگایا۔کسی کی سٹریک آئی تھی۔اوہ۔۔۔ہو اماں کی باتوں میں وہ سٹریک بھیجنا بھی بھول گئی تھی۔آج تو اس نے ویسے بھی کوئی سٹریک نہیں بھیجی تھی۔اس سے پہلے کہ سٹریک ٹوٹے اسے سٹریک بھیجنی تھی۔کچھ بھی ہو جائے۔بس سٹریک نہیں ٹوٹنی چاہیے۔۔۔چاہے سٹریٹ میں کسی کا جنازہ اٹھ جائے۔۔۔وہ ہاتھوں کو ڈوپٹہ سے صاف کرتی۔۔۔اوپر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔۔۔۔۔اب اسے پیکچرز edit کرنی تھی۔انسٹا پر post کرنی تھی۔اس کے لیے ایک خوبصورت سا caption بھی چاہیے تھا۔پھر وہ ایک سوال۔۔۔جواب کا سیشن بھی رکھے گی۔۔۔اسے یہ

www.novelsclubb.com

ایکٹیویٹی کیے بھی کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ویسے بھی آج گھر میں دعا بھی نہیں تھی۔اکیلی نے ٹائم بھی تو پاس کرنا تھا۔ماں زیادہ دیر اس کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتی تھی۔وہ نماز پڑھنے کے فوراً بعد سو جایا کرتی تھیں۔

^_____^ (☆▽☆)

لاہور پر بھی نومبر کی رات سرد ہوائیں لیے اتری تھی۔یہ نومبر کے آخری دن تھے۔ہر گزرتی گھڑی کے ساتھ سردی کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔چونٹیاں اب اپنے گھروں میں تھیں۔وہ سردی کا سامان جاڑے کی آمد سے پہلے ہی جمع کر لیا کرتی تھیں۔جھینگے آج بھی سرد موسم اپنی سست روی کے سبب جگہ، جگہ تلاش رزق میں پھر رہے تھے۔کسی چیونٹی نے آج بھی کسی جھینگے کو یہی کہا ہو گا۔جو تکلیف نہیں اٹھاتے۔انھیں سکون میسر نہیں آتا۔جو اپنے کل کی فکر نہیں کرتے۔ان کا آج بھی برباد ہو جاتا ہے۔لاہوریوں کو کھانے کا شوق تھا۔ہے اور تا قیامت رہے گا۔اس وقت بھی سارا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ہر طرف ڈھابے اور ان گنت

ریستوران جو اپنے مختلف اور منفرد کھانوں کے لیے مشہور تھے۔ ہر سو لوگوں سے بھرے دکھائی دیتے تھے۔ رات کے وقت سڑکوں پہ بڑھتا رش، جلتی بتیاں، روشن گھر اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ کہ لاہور کے باسی آج بھی زندہ دل ہیں۔ وقت بدل گیا۔ زمانہ پہلے جیسا نہیں رہا۔ نہیں جو نہیں بدلا تھا۔ وہ تھا لاہوریوں کا دل۔ لاہوری آج بھی زندہ دلان لوگوں میں مشہور ہوتے ہیں۔ ان کی مثالیں آج بھی میزبانی کے فرائض نبھانے میں مشہور ہیں۔ لاہور اور لاہوری اپنے آنے والوں کا خوش دلی سے استقبال کرتے ہیں۔

ایسا ہی ایک محل نما گھر گلبرگ ٹاؤن میں نظر آرہا تھا۔ جس کی چٹان جیسی دیواروں پر اور پہاڑ جیسے مضبوط ستونوں پر سنہری اور سفید رنگ کا پینٹ کیا گیا ہے۔ اس کے سامنے ایک وسیع و عریض میدان واقع ہے۔ جس کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا فوارہ قدیم طرز سے بنایا گیا ہے۔ فوارے سے گرتا پانی رات کی چاندنی میں چمکتے ہوئے ایک دلکش اور مسرور کن آواز پیدا کر رہا ہے۔ اس محل کی دیواروں پر بڑی، بڑی کھڑکیاں نصب ہیں۔ جن سے باہر کا منظر اور وسیع سڑکوں پر پھیلی روشنیاں دیکھائی دیتی ہیں۔ یہ دیوار گیر کھڑکیاں اس محل کی خوبصورتی میں

www.novelsclubb.com

مزید اضافہ کر رہی ہیں۔ محل کے داخلی دروازے پر بڑے بڑے فانوس لگے ہیں۔ جن کی روشنی ارد، گرد بکھر کر ماحول کو مزید پر کشش بنا رہی ہے۔

اندر روشنیوں کا سیلاب ہے۔ محل اندر سے حد نظر تک کھلا اور وسیع ہے۔ اندر لوگوں سے ہلچل ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی بڑی شخصیت کے کھانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ صوفوں کے ہم رنگ پردے بڑی بڑی کھڑکیوں کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ فرش پر ایرانی قالین بچھائی گئی۔ جس پر مختلف قسم کے ڈیزائن اس محل کے رہنے والے کی پسند کو داد دیتے ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا سا میز رکھا ہوا۔ جس پر تازہ پھول اور نایاب آرائشی اشیاء سجی ہوئی ہیں۔ بڑے صوفوں پر ہم رنگ تکیے پڑے ہوئے ہیں۔ جن کی پوشاک ریشمی کپڑے سے تیار کئی گئی ہے۔ دیوار پر ایک طرف بڑی سی الماری لگی ہے۔ جس میں قدیم کتابیں اور نئی کتابوں کی خوشبوئیں مل کر ماحول پر ایک سحر سا پھونک رہی ہیں۔ انھیں میں سے ایک ریک کے سامنے وہ سفید سوٹ میں ملبوس ہم رنگ ڈوپٹہ لیے۔ ایک خوبرو سے لڑکے کے ساتھ ہاتھ میں کتاب پکڑے کھڑی تھی۔ وہ لڑکا نہایت خوش اخلاقی سے اس سے کچھ کہہ رہا ہے۔ وہ ہلکا، ہلکا سا ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی کی مدھم سی آوازیں یہاں تک آتی تھیں۔ نکر میں رکھے لیمپ سے مدھم سی روشنی اس کے سفید

www.novelsclubb.com

کپڑوں پر پڑ رہی تھی۔ جس سے ایک سفید اور زرد رنگ کا خوبصورت سا امتزاج بن کر ابھر رہا تھا۔ لڑکا کھلے شرٹ، ٹراؤزر پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بال یوں ہی بے ہنگم طریقے سے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ پیچھے کو پلٹا تو جلتی روشنیوں میں اس کا عکس واضح ہوا۔ وہ گندمی رنگت کا حامل شخص بہت ہی پر وقار شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔ وہ طلحہ تھا۔ وہی طلحہ جسکو ایک سال اور چند ماہ قبل اپنے گاؤں اور دعا کے گھر دیکھا گیا تھا۔ اب وہ پہلے سے وجیہہ اور پر کشش لگ رہا تھا۔ پہلے کی نسبت اس کا قد کاٹھ بھی بہتر لگ رہا تھا۔ وہ ساتھ کھڑی لڑکی سے قد میں اونچا تھا۔ وہ اس کے کاندھوں تک آتی تھی۔

"کافی grow کیا ہے تم نے" لڑکی کتاب کی جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔ اس سے کہہ رہی تھی ۔ وہ بھنویں چڑھا رہا تھا۔ ستائش سے، طنز سے یا پھر تشکر سے۔

"اگر آپ ہمیں کچھ قابل سمجھیں تو مزید بہتری لائی جا سکتی ہے۔" وہ شریر سے لہجے میں گویا ہوا ۔ وہ اب ایک دوسری کتاب کو پکڑ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

''اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمہیں قابل تو سمجھتی ہوں مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔وہ دم سادھ گیا۔اگلا لفظ اس کے دل کی دعا کو پورا بھی کر سکتا تھا۔اور اس کے کانوں میں رس بھی گھول سکتا تھا۔

ایک طرف رکھا fireplace جس پر مختلف قسم کے آرائشی فنون بنے ہوئے ہیں۔فائر پلیس پر ایک نرم اور خوبصورت سی سنگ مرمر کی قالین لگی ہوئی ہے۔جو ماحول کو ہلکی سی حرارت بخش رہی ہے۔یہ مدھم شعلوں سے جلتی ہوئی فائر پلیس توجہ کا مرکز ہے۔

''مگر قابل قبول نہیں سمجھ سکی۔''وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔وہ بھی رسماً مسکرا دیا۔مگر اس دل کی دعا رد ہو گئی۔کانوں میں رس کی جگہ تلخی گھل گئی۔

www.novelsclubb.com

''ہو سکتا ہے تم مجھے قابل قبول سمجھ لو۔''وہ اڑا ہوا تھا۔

''ہوا تو نہیں ہے ناں"وہ اب فائر پلیس کے قریب کھڑی۔اس پر بنے نقش و نگار دیکھ رہی تھی۔یہ دھیمی، دھیمی سی حرارت اسے اچھی لگ رہی تھی۔

"ویسے بندہ اتنا برا بھی نہیں ہے"۔وہ بھی کتاب ہاتھ میں پکڑے ورق پلٹتے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔اور اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"اتنا کتنا"۔وہ پلٹی تو وہ پیچھے ہوا۔اس نے ہاتھ سینے پر باندھ لیے تھے۔البتہ ڈوپٹہ سرک کر گلے میں میں آگیا تھا۔

"اتنا کہ محترمہ عظیم الشان دل کے سلطنت پر بیٹھی ہوئی ملکہ خواب۔۔۔۔۔بندے کو قابل قبول بھی نہ سمجھے۔"وہ بادشاہی انداز میں کہہ رہا تھا۔دونوں ہاتھ ہوا میں لہرائے اور ایک ہاتھ میں یوں ہی کتاب پکڑے۔وہ دل کی گہرائیوں سے اسے پرپوز کر رہا تھا۔مگر وہ تھی کہ ہر دفعہ اس کے پرپوزل کو جوتی کی نوک دکھا دیتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"بہت بڑا رتبہ دے بیٹھے ہو۔"یہ دل بڑا کمبخت ہے۔

"دل وہ واحد سلطنت ہے۔جو اپنے بادشاہ کو چننے سے پہلے رعایا کی رائے نہیں لیتی، ملکہ دل!۔"وہ متمکن سا کہہ رہا تھا۔

"ایک پتے کی بات بتاؤں۔"اس نے راز گوئی والے انداز میں سرگوشی کی۔

"آپ کو اجازت کی ضرورت کیا ہے۔ یہ دل ہمیشہ آپ کے بولنے کا طلبگار رہتا ہے۔" وہ بھی بادشاہی انداز اپنائے ہوئے تھا۔

"بس کرو۔ ویسے آج تم کچھ زیادہ فلرٹی نہیں ہو رہے۔" وہ اب ادھر، ادھر ٹہل رہی تھی۔ اور وہ اس کے ساتھ، ساتھ۔۔۔۔۔

"موسم اچھا ہو تو بادل برس ہی جاتا ہے ملکہ دل۔" وہ ایک ہاتھ کو ہوا میں معلق کیے ہوئے تھے ۔وہ اس کی باتوں سے غش کھاتی رہ گئی۔

"محبت کر لی ہے۔ میں جانتی ہوں۔ اس پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ اس لیے مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ خیر ہو گا بھی کیوں۔ تمہارا دل۔۔۔۔ تم جانو۔۔۔۔" اس دفعہ اس کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا تھا۔ ایک طرف نوکر چاکر رات کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف تو دوسری طرف ان کے عقب میں صوفوں پر بیٹھے لوگ باتوں میں مگن تھے۔

www.novelsclubb.com

وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اور وہ اس کی آنکھوں میں۔اس کے لیے جیسے وقت تھم گیا تھا۔ سانسیں روکے۔کاش وہ ساری زندگی ایسے ہی اس کے سامنے رہے۔کتنی چھوٹی سی خواہش تھی دل کی۔مگر کتنی ہی بڑی خواہش تھی دل کی۔

"لیکن محبت کے آداب سیکھ لینا۔"مطلب۔۔۔۔۔۔۔۔۔"وہ بولی تو وہ بھی فوراً بول اٹھا۔

"مطلب یہ کہ جس میں دل نہ ٹوٹے وہ سب کچھ ہو سکتی ہے بس محبت نہیں ہو سکتی۔اور جب دل ٹوٹتا ہے ناں۔پھر انسان دو کام کرتا ہے۔ "اس آنکھوں میں کوئی کانچ سا تھا۔جو چبھ رہا تھا۔ لیکن آنسو۔آنسو کہیں نہیں تھے۔دل کا درد تھا۔سو خون کے آنسو مبارک تھے۔

"اور وہ دو کام کیا ہیں۔"اسے خاموش دیکھ وہ بول اٹھا۔وہ جیسے کسی کیفیت کے سحر سے باہر آئی

۔

"ہاں ایک جو وہ فوراً کرنا چاہتا ہے۔جو ہر انسان کرتا ہے۔وہ ہے انتقام۔۔۔۔انسان کو بدلہ چاہیئے ہوتا ہے۔وہ چاہتا ہے جیسے مجھے درد ہوا۔ویسے ہی سامنے والے کو ہو۔وہی تکلیف وہ بھی محسوس کرے۔جیسے اس کا دل ٹوٹا ویسے ہی توڑنے والے کا بھی ٹوٹے۔۔۔یہ ہوا پہلا کام۔۔۔۔

جسے کوئی بھی کر سکتا ہے۔اور عموماً نوے فیصد لوگ یہی کرتے ہیں۔"وہ اب ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑی تھی۔دیوار پر ایک قدیم طرز کی پینٹنگ نصب تھی جس پر عجیب سے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔وہ ٹکٹکی باندھے ہر شے سے بے نیاز بس اور صرف اسے دیکھ رہا تھا۔محل کے ستون دم سادھے اسے سن رہے تھے۔شور کی آواز اس کے لبوں سے نکلتے الفاظ کے پیچھے کہیں چھپ گئی تھی۔"اور نوے فیصد لوگ بس محبت کرتے ہیں۔نام کی محبت۔انھیں محبت کے اصلی معنی معلوم نہیں ہوتے۔بالکل ویسے جیسے ایک مولوی کو صوفی کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔باقی پانچ فیصد محبت کا ایک فیصد جانتے ہیں۔یہ لوگ وہی ہیں۔جو محبت کو کر کے بدنام کرتے ہیں۔جس کا کھاتے ہیں۔اسی کو گالی دیتے ہیں۔یہ محبت میں حرام خور کہلاتے ہیں۔"وہ بتا رہی تھی۔وہ سن رہا تھا۔مگر کیا وہ سن رہا تھا۔اگر سن رہا تھا۔تو کیا وہ سمجھ بھی رہا تھا۔یا بس وہ دیکھ رہا تھا۔

"دوسرا کام ہوتا ہے صبر کرنا۔"اس نے صبر پر زور دیا۔وہ پینٹنگ کو پیچھے چھوڑ اس کی جانب مڑی۔چٹیا میں گندھے بالوں سے آوارہ لٹیں چہرہ کا طواف کر رہی تھیں۔"جو محبت میں صبر کے درجے کو چھو لے۔آہ۔۔۔وہی عظیم لوگ ہوتے ہیں۔ان کی محبتیں بہت معتبر ہوتی ہیں

۔ایسے لوگ اس پوری دنیا میں میرے نزدیک بس پانچ فیصد ہوتے ہیں۔ہو سکتا ہے۔اس سے بھی کم ہوں۔ لیکن عظیم محبت بس عظیم لوگ ہی کر سکتے ہیں۔"اس نے لمبا سا سانس لیا۔شاید وہ اب تھک چکی تھی۔شاید وہ سمجھ چکا تھا۔یا شاید نہیں۔ کبھی کبھی چیزیں کتنی مشکل ہوتی ہیں۔ کہ وہ بے یقینی اور یقین کے درمیان اٹک جاتی ہیں۔

"کہنا کیا چاہتی ہو۔"وہ بات کا اصل مقصد نہ سمجھ سکا۔

"بہت محبت، محبت کرتے ہو ناں۔تو محبت کے آداب سیکھ لینا۔محبت تو سب کرتے ہیں۔ عظیم محبت کرو تو کہنا۔"وہ کہہ چکی تھی۔وہ سن چکا تھا۔

"مجھے عام اور عظیم کے درمیان کا فرق نہیں پتہ۔بس یہ پتہ ہے۔مجھے تم سے محبت ہے اور بہت ہے۔"وہ بے بس سا کہہ رہا تھا۔سامنے کھڑی لڑکی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔اس نے دل سے دعا کی تھی۔کہ کسی کا دل نہ ٹوٹے۔ مگر وہ توڑ رہی تھی۔وہ اس شخص کا دل توڑتی رہی تھی۔ کبھی جان بوجھ کر تو کبھی بے دھیانی میں۔ مگر توڑا تو تھا ناں۔

www.novelsclubb.com

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کھولی۔وہیں سے جہاں اس نے کافی دیر سے انگلی رکھی ہوئی تھی۔یہ کتاب اس کی پسندیدہ کتابوں میں سے ایک تھی۔وہ اس کتاب کو کتنی بار پڑھ چکا تھا۔یہ شاید اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ایک قاری اپنی پسندیدہ کتاب کو اتنی بار پڑھ سکتا ہے۔جتنی بار ایک عاشق اپنے محبوب کو دیکھ سکتا ہے۔عاشق اور قاری دونوں اپنے عشق کے پکے ہوتے ہیں۔اس کے ہاتھ میں جو کتاب تھی۔اس کتاب پر کچھ سطور ہائی لائٹ کی گئی تھیں۔اس نے ان سطور کو دیکھا اور بولا۔

I have loved none , but you, unjust I may have been, but never inconstant

www.novelsclubb.com

اس کے ہاتھ میں Charlotte Bronte کا مشہور ناول Jane Eyer تھا۔اس نے سطور پڑھیں اور نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔"یہ میرا پسندیدہ ناول ہے۔اور یہ لائین میری پسندیدہ ترین ہیں۔"وہ اسے جو بتا رہی تھی۔وہ اسے اس سے بڑھ کر بتا رہا تھا۔تم محبت کو

پڑھتے اور میں نے اس کو جیا ہے۔ محبت پڑھ کر آتی تو۔ کسی کی سپلی نہ آتی اس میں۔ وہ سوچ سکی ۔ کہہ نہ پائی۔ کیوں نہ کہہ سکی۔ یہ اسے بھی معلوم نہیں تھا۔

"تمہاری محبت سے مجھے محبت نہ سہی۔ مگر مان ہے مجھے تم پر اور تمہاری محبت پر۔ اسے کبھی رسوا مت ہونے دینا۔" وہ اسے کچھ بتا رہی تھی۔ اور وہ کچھ سمجھ بھی رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے ہوئے تھے۔ ایک کی آنکھوں میں بھروسہ، محبت، مان تھا۔ تو دوسرے کی آنکھوں میں ہزن، ملال اور ہیجان تھا۔ زندگی انسان کو کبھی کبھی کس موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے۔ ایسا موڑ کہ جس کے چاروں طرف رستے ہوتے ہیں۔ مگر صحیح رستہ کوئی نہیں ہوتا۔ کتنا دے کر کتنا لے لیتی ہے قسمت۔ اس سے بھی محبت لے کر محبت دے رہی تھی قسمت۔ مگر دل قسمت کا پابند کبھی ہوا ہے۔ جواب ہوتا۔ دل بادشاہ ہے۔ وہ اپنی سلطنت میں قسمت کی لکیروں کو فیصلے کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ نہ کبھی دی تھی۔ نہ دی ہے اور نہ دے گا۔ محبت جدید ہو سکتی ہے۔ مگر درد ہمیشہ قدیم رہے گا۔

www.novelsclubb.com

جی کہانی کے کچھ بکھرے پنوں کو جوڑتے ہیں۔وقت کی سوئیوں کو گھماتے ہیں۔اور ذہن میں کھلبلی مچاتی بے چینی کو راحت بخشتے ہیں۔یہ ایک مصروف سی شاہراہ تھی۔جس پر ان گنت گاڑیاں تھیں۔ایسے میں ایک گاڑی ان کی بھی تھی۔جو ہماری کہانی کے مرکزی کردار ہیں۔یہ گاڑیاں عام معمولات میں چلنے والی نہیں تھی۔نا ہی معمول کے مطابق رش تھا۔یہ کوئی جلوس نکل رہا تھا۔عوام موجودہ حکومت کے خلاف احتجاج کر رہی تھی۔سڑکوں پر جگہ، جگہ جلاؤ اور گھیراؤ کا عالم تھا۔ہر سو مظاہرے ہو رہے تھے۔سڑکوں پر دور، دور تک دھواں پھیل چکا تھا۔آسمان ٹائروں کے جلنے سے دھندلا پڑ چکا تھا۔موسم بدل چکا تھا۔وہ لوگ جب آئے تھے۔تب یہ سڑکیں اتنی ڈراؤنی نہیں تھیں۔مگر اب منظر بدل چکا تھا۔عوام کے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور پتھر تھے۔جبکہ ان کے برعکس پولیس عوام پر سوئی گیس اور شیل سے حملہ کر رہی تھی۔عوام موجودہ حکومت کے مطالبات نہ ماننے پر احتجاج کر رہی تھی۔مگر حکومت عوام کے مطالبات کو ماننے کی بجائے۔پولیس کو لاٹھی چارج کا آرڈر جاری کر چکی تھی۔سڑکوں پر جا بجا خون تھا۔محافظ مار رہے تھے۔جو محفوظ ہونے کے بھرم میں تھے۔وہ انھیں کے ہاتھوں قبر میں اتر رہے تھے۔کئی لوگ مر چکے تھے۔ملک کے حالات سنگین صورتحال اختیار کر چکے تھے۔عوام کوٹہ

سسٹم اور نئے بجٹ کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔احتجاج عوام کا حق ہوتا ہے۔ مگر موجود حکومت خلاف ورزی پر اتر آئی تھی۔ طلباءquota system کے خلاف ریلیاں نکال رہے تھے۔ طلباء کا کہنا تھا کہquota system ان کے حقوق سلب کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

)ایسا سسٹم جس کے تحت مخصوص مواقع، تعداد یا فیصد صرف مخصوص گروپوں کے لیے مختص کیے جائیں **quota system** کہلاتا ہے۔اس سسٹم میں مخصوص لوگوں کے لیے مخصوص نشستیں، نوکریاں، مواقع مختص کیے جاتے ہیں۔)

کنٹینر زر کھ کر راستہ بلاک کر دیا گیا تھا۔اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچتا تھا۔ عوام نئے بجٹ کو لے کر مظاہرے کر رہی تھی۔ نیا بجٹ اور اس میں شامل ٹکسز عوام کو دونوں قابل قبول نہیں تھے۔بجٹ نے عوام کو مشتعل کر دیا تھا۔رستوں پر پولیس اور عوام کے درمیان جنگ جاری تھی۔ حکومت نے عوام کو اپنے گھروں سے نہ نکلنے کا اعلان کر دیا تھا۔جو بھی شخص اس کے باوجود باہر نکلے گا۔ تو اسے دہشت گردوں کی صف میں شامل کیا جائے گا۔ سو اس صورتحال کو

www.novelsclubb.com

دیکھتے ہوئے صفدر صاحب اپنے بھائی کے گھر چلے گئے تھے۔جو گلبرگ ٹاؤن میں مقیم تھے۔ گلبرگ ٹاؤن لاہور کا ایک مصروف ترین حصہ ہے۔جس میں اونچے،اونچے محل اور بڑے، بڑے مول ہیں۔اس کی سڑکیں وسیع اور بڑے بڑے جالوں کی مانند پھیلی ہوئی ہیں۔طرح طرح کے ریستوران اور انواع اقسام کے کھانے مہک اڑا رہے ہوتے ہیں۔ہر سو لوگوں کا جم غفیر ہے۔سڑکوں کو بڑے، بڑے درختوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔اسی میں سے ایک محل کے سامنے ان کی کار رکی تھی۔وہ سامنے ہی اپنے باپ کے ہمراہ اس کے استقبال کے لیے کھڑا تھا۔ وہ آئی تو وہ یقین نہ کر سکا۔کہ وہ آئی ہے۔وہ پہلے کب آئی تھی۔اسے بھول گیا۔وہ اب سامنے ہے بس یہی یاد رہا۔وہ آئی اپنے تایا سے پیار لیا۔اور اس کے ہمراہ اندر چلی گئی۔صفدر صاحب بھائی سے بغل گیر ہوئے۔باہر پورچ میں دو کالی رنگ کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔دعا نے دریافت کیا تو طلحہ نے بتایا کہ بابا کے دوست آئے ہیں۔وہ ملک کی ایک بڑی سیاسی جماعت کے سرگرم رکن تھے۔فوج نہیں تو سیاست صحیح۔اب وہ ایک retired فوجی نہیں بلکہ ایک سرگرم رکن تھے۔سیاسی جماعت کے۔وہ سیاست میں اب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔وہ باقاعدہ الیکشن

بھی لڑ چکے تھے۔اب ان کی پارٹی کی حکومت تھی۔وہ الیکشن جیت چکے تھے۔موجود حکومت انھیں لوگوں کی حکومت تھی۔موجودہ مسائل کا حل بھی انھیں لوگوں کے پاس تھا۔

اب آتے ہیں واپس حال میں۔۔۔۔۔

"ہمیں جلد از جلد کوئی فیصلہ لینا ہو گا۔عوام کا احتجاج بڑھتا جا رہا ہے۔بغاوت rebellion شروع ہو چکی ہے۔اگر ہم نے جلدی ہی کوئی حل نہ نکالا تو حالات مزید ہمارے خلاف ہو سکتے ہیں۔"طلحہ کے باپ کے پہلو میں بیٹھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خالد اسحاق خان نام کا شخص۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کھانا کھاتے ہوئے متفکر سا کہہ رہا تھا۔خالد اسحاق خان وزیر خارجہ foreign minister تھے۔وہ بیرونی معاملات کو سنبھالتے تھے۔لیکن چونکہ ان کی حکومت نئی تھی۔تو آج وہ سئینر سیاستدان ملک کے حالات کی وجہ سے اکھٹے ہوئے تھے۔

(وزیر خارجہ foreign minister کو وزیر اعظم نامزد کرتا ہے۔یہ وزراء بھی کابینہ حکومت کا حصہ ہوتے ہیں۔پارلیمان میں ان کے امور کی نگرانی ہوتی ہے۔یہ قومی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

"اوپوزیشن عوامی احتجاج کو ہمارے خلاف استعمال کر رہی ہے۔اگر عوام کے مطالبات نہ مانے گئے۔تو عین ممکن ہے کہ کرسی ہماری نہ رہے۔"میاں منیر نیاز تنفر اور الجھن زدہ تاثرات لیے ہوئے کہہ رہے تھے۔

میاں منیر نیاز ایک سینئر سیاستدان تھے۔اور ان ک سربراہی کرسی پر براجمان طلحہ کے باپ سمجھنے والے انداز میں سر ہلا رہے تھے۔امیر گیلانی صاحب آپ کی کیا رائے اس بارے میں۔ اب وہ تیسری کرسی پر بیٹھے ایک شخص سے مخاطب تھے۔۔

"ہمیں عوام کو کچھ ریلیف دینا ہو گا۔عوام ہم سے ناراض ہے۔ہمارے بجٹ میں مسائل ہیں۔ لوگوں کو اس کی قبولیت میں وقت لگے گا۔پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔عوام معاشری اور سماجی مسائل سے پریشان ہے۔لوگ مظاہروں پر اتر آئیں ہیں۔جلسے،جلوس عوام کا حق ہے۔مگر ہم نے کیا کیا ہم انھیں مار رہے ہیں۔"وہ تنفر سے لہجے میں بیزاری بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"ہم اب کوئی اور ریلیف دینے کے متمنی نہیں ہو سکتے۔"امیر گیلانی کے ساتھ بیٹھے تیموری غزنوی بگڑ کر بولے۔

www.novelsclubb.com

"مگر ہمیں دینا ہو گا۔اوپوزیشن عوام کے اس درد کو اپنے دفاع میں استعمال کر سکتی ہے۔ہماری کرسی ابھی خطرے میں آئی ہے۔کل بالکل ہی چھن سکتی ہے۔ہمیں اب ہیلنگ کارڈ پھینکنا ہے۔جو عوام کو پر سکون کر دے۔"وہ تقریباً پچاس کے ہندسے کو چھوتا شخص تنفر سے کہہ رہا تھا۔

"ہیلنگ کارڈ مطلب۔کھل کے بتاؤ۔جو بھی کہنا چاہتے ہو۔"اب کی بار طلحہ کا باپ اور دعا کے تایا نے سوال کیا تھا۔

"مطلب یہ کہ ہمیں ہر حال میں عوام کو ریلیف دینا ہو گا۔اس بھڑکتی آگ کو ہمیں ہر صورت بجھانا ہے ورنہ یہ اپنی لپیٹ میں ہم سب کو لے لے گی۔"اب وہ کھانا شروع کر چکے تھے۔منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔دعا ان سب کی بے باتوں سے بے نیاز کھانے میں مگن تھی۔

"ہمارے پاس عوام کو ریلیف دینے کے لیے رقم کہاں سے آئے گی۔ملک کا خزانہ پہلے سے کنگال ہے۔حکومت کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔"اب ان میں سے ایک اور شخص کچھ بگڑ کر کہہ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"ریلیف عوام کو چاہیے۔ جلاؤ گھیراؤ عوام کر رہی ہے۔ دنگا فساد، مار کٹائی عوام ہر حربہ اختیار کر رہی ہے۔ اس لیے عوام کو ریلیف بھی عوام کے پیسوں سے آئے گا۔" ان کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ عیارانہ مسکراہٹ ایسی جیسے شکاری کے چہرے پر شکار کو دیکھ کر آتی ہے۔ باقی تمام افراد کھانا چھوڑ امیر صاحب کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"عوام بہت معصوم ہوتی ہے۔ اپوزیشن انھیں جب بھی جوش دلاتی ہے۔ یہ ہوش کھو کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ اس لیے اب ہو گا کیا۔" طلحہ بول رہا تھا۔ باقی سب اب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "اب ہمیں اپنی چھوٹی پارٹیز سے کانفرنس کرنی ہو گی۔ نیٹ ورک آن کریں۔ عوام کی جیب سے عوام کا ریلیف نکالیں۔" وہ بہت ہی شاطرانہ ذہن کا مالک تھا۔ دعا کے علاوہ میز پر موجود ہر شخص اس کی بات سمجھ چکا تھا۔

"مطلب انھیں کو خون پی کر انھیں کو واپس لوٹانا ہے۔" سربراہی کرسی پر بیٹھا شخص سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"پلان کیا ہو گا۔" اب ایک اور شخص کہہ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"وہی صدیوں پرانا پلان۔ عوام کو اکسایا ہے۔اپوزیشن نے۔اور عوام کو ڈگر پر لائیں گے ہم۔ یعنی حکومت۔اب ہو گا یہ کہ ٹیکس تو کسی صورت کم نہیں ہوں گے۔اعوان بل پاس کر چکا ہے ۔چھوٹی پارٹیوں کو سر گرم کریں۔اور عام عوام سے اس ریلیف کے پیسے نکالیں۔جو ہمیں عوام ہی کو دینا ہے۔"وہ بریانی کی پلیٹ سامنے رکھے۔رک،رک کر کھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ ذرا مشکل نہیں ہو جائے گا۔ٹی وی چینلز پر لائیو کوریج ہو رہی ہے۔بیرونی ممالک بھی اس بات کو خوب اچھال رہے ہیں۔ہمیں جو بھی کرنا ہے۔بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہو گا۔"اب کی بار سربراہی کرسی پر بیٹھا بادشاہ رعب سے کہہ رہا تھا۔ان کے انداز میں اجلی پن تھا۔وہ اس مسلے کے بڑھنے سے متفکر لگتے تھے۔

www.novelsclubb.com

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ٹی وی چینلز وہی دکھائیں اور اتنا ہی دکھائیں گے۔جتنا ہم چاہیں گے۔آپ پریس کانفرنس کی تیاری کریں اور کل ہی اعلان کریں۔"طلحہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی معلوم ہوتا تھا۔وہ وقتاً فوقتاً اپنی رائے دے رہا تھا۔پچھلے ایک سال سے وہ سیاست میں حصہ لے

رہا تھا۔اس کے داؤ پیچ وہ خوب سیکھ چکا تھا۔اور اب تو اسے سیاست پڑھتے ہوئے بھی ایک سال ہو گیا تھا۔

"کل کی پریس میں اعلان کس چیز کا ہو گا۔"

اب امیر گیلانی صاحب اس بات کو یقینی بنا رہے تھے۔جو ان کے دماغ کی شاطرانہ نسوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔

"عوام کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے اور ملک میں بڑھتے ہوئے انتشار کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پریشان حال عوام کو ریلیف دیا جائے گا۔کل سے پورے پاکستان میں ہر ضرورت مند کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے راشن مفت تقسیم کیا جائے گا۔" یہ ہو گی کل کی ہیڈ لائین اور عوام کے لیے سب سے بڑی خبر بھی۔وہ انہماک سے کہتا ہوا اٹھ گیا۔اس کا کھانا ہو چکا تھا۔اس سب کے دوران صفدر صاحب اور دعا ایک اضافی کریکٹر تھے۔جن سے بس کھانے کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔

www.novelsclubb.com

"اوں۔۔۔ہوں۔۔۔انٹیلیجنٹ۔۔۔"امیر صاحب اس لڑکے سے کافی متاثر لگتے تھے۔

بادشاہ جانشین کی تعریف پر خوش ہوا تھا۔وہ سب اسے داد دیتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"کل کی پریس کانفرنس کی صدارت میں خود کروں گا۔"اس دفعہ کا اعلان شاید پہلے سے بڑا تھا۔

وہ سب چونک پڑے۔

"مگر تم نے پہلے کبھی نہیں کی۔"امیر صاحب فوراً بولے۔

"آپ بھی مجھ سے پہلے کبھی متاثر نہیں ہوئے۔"وہ اسی انداز میں بولا۔دعا نے جو بات نوٹ کی وہ یہ تھی کہ وہ پہلے سے بہت بدل گیا تھا۔

"بچہ کبھی پہلے سکول نہیں گیا ہوتا۔مگر اسے پہلی بار تو جانا ہی پڑتا ہے ناں دوسری بار جانے کے لیے۔اور پھر شاید بار بار جانے کے لیے۔"وہ موبائل اٹھاتا ہوا چلا گیا۔اس کے پیچھے ہی دعا بھی اٹھ گئی۔اب میز پر بس پانچ مرد تھے۔جن میں سے ایک عام عوام اور چار سیاستدان تھے۔

وہ ایک چار مرد سیاسی باتوں میں مگن رہے۔وہ ایک آدمی سوچتا رہا کہ عوام کتنی معصوم ہے۔کس طرح پارٹیاں ہمیں سے لے کر ہمیں ہی بے وقوف بنا رہی ہوتی ہیں۔کیسے چند لوگ ملک چلانے

کے نام پر لوگوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ملک عوام بناتی ہے۔ملک کے لوگ بناتے ہیں جو مگر اقتدار ان کو حاصل ہوتا ہے۔جو ملک کے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔شاید سیاست کہتے ہیں اسی چیز کو ہیں۔وہ سوچتا رہا۔وہ محل میں بیٹھے بادشاہ سیاسی امور میں مصروف رہے۔یہ سارا اقتدار اور دستار کا کھیل تھا۔مگر اس کھیل میں پیادہ عوام الناس بن ہوئی ہے۔

^_____^ (✿^‿^)

کھڑکی سے پردے ہٹائے وہ لیونگ روم میں کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔موبائل کان اور کاندھے کے بیچ رکھے وہ جیب سے والٹ نکال کر کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔کھڑکی سے چھن، چھن کر آتی روشنی اس کے نیم رخ پر پڑ رہی تھی۔ٹھنڈی ہوا میں ہلکی سی حرارت اسے خوش کن احساس بخش رہی تھی۔وہ موبائل پر کسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔یہ لیونگ روم کافی وسیع تھا۔فرش پر مختلف قسم کے نقش و نگار والی ایک پرکشش سی ہلکے بھورے رنگ کی جس پر سرخ کے قالین پر ساتھ مزید رنگ نمایاں تھے بچھی ہوئی تھی۔

اسے اب اس کی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔اس نے موبائل پر کسی سے کچھ کہااور لیونگ روم کی دائیں دیوار پر جس پر ایک بڑی سی پینٹنگ لگی تھی۔اس نے ہاتھ کے زور سے اس پینٹنگ کو دھکیلا۔پینٹنگ دیوار سے جدا ہوتی چلی گئی۔سامنے گھپ اندھیرا تھا۔پراسرار سا خاموشی بھرا اندھیرا۔یہاں اگر دیکھو تو نیچے کو سیڑھیاں جارہی تھیں۔جو باہر سے جاتی ہلکی روشنی میں بامشکل نظر آرہی تھیں۔دیکھنے سے یہ کوئی ڈراؤنا سا تہ خانہ لگتا تھا۔

"میں آج اس کا پتہ لگا کر رہوں گا۔" پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"اس نے کال کٹ کر دی۔ موبائل کی ٹارچ آن کی۔اب وہ وہیں داہانوں سے کھڑا۔اس تہ خانے کو دیکھ رہا تھا۔جو اپنے اندر ہزاروں راز سموئے ہوئے تھا۔مگر ہر شے کا ایک وقت مقرر ہے۔ہر راز اپنے وقت پر فاش ہوتا ہے۔نہ وقت سے پہلے کچھ ہو سکتا ہے۔نہ ہی وقت کے بعد کچھ ہو سکتا ہے۔

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP: